کشف الاسرار

السید حسین الموسوی

عالم نجف (عراق)

ترجمہ:

سید احمد الکاتب

دار الھدایۃ

الحسبۃ، پوسٹ بکس نمبر ۵۶۰۹،

صنعاء، یمن

www.ircpk.com

کشف الاسرار

السید حسین الموسوی
عالم نجف (عراق)

ترجمہ:
سید احمد الکاتب

دار الھدایۃ
الحسبّة ، پوسٹ بکس نمبر ٥٦٠٩ ،
صنعاء، یمن

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا الأمين وآله الطيبين الطّاهرين والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين ... اما بعد!

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ موت کا پروانہ آتے ہی زندگی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں بھری جنت میں مسکن ہوگا یا پھر جہنم کی ہولناکیوں سے واسطہ پڑ جائے گا۔ اس لئے ہر مسلمان اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ وہ ایسے اعمال کا اہتمام کرے جو اسے جنت میں لے جانے کا باعث بن سکیں اور پروردگار عالم کی خوشنودی کے حصول کی بنیاد ہوں۔ اور وہ ہر ایسی حرکت سے دور رہتا ہے جو رب کائنات کی ناراضگی کا سبب بنے اور اس سے جہنم میں جانے کا خطرہ محسوس ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر یہ فکر ایک عام مسلمان کی ہے تو خاص افراد کا حال کیا ہوگا؟

مسلمان اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس زندگی میں انسان کے سامنے برائی اور گمراہی کے بے شمار رستے کھلے ہیں۔ عقل مند آدمی وہی ہے جو ان تمام راستوں سے بچ کر جنت کے رستہ پر گامزن رہتا ہے اگرچہ وہ مشکل ہی کیوں نہ ہو اور وہ تباہی کے رستہ کے قریب بھی نہیں جانا چاہتا خواہ وہ جتنا بھی آسان ہو۔

یہ کتاب میں نے علمی بحث کی شکل میں ترتیب دینے اور اسے احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ ہے تاکہ میرا پروردگار مجھ سے راضی ہو جائے اور میری زندگی میں اور موت کے بعد بھی لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا رہے۔

میں کربلا کی سرزمین پر پیدا ہوا ہوں اور میں نے مکمل شیعہ معاشرے میں اپنے والد کے زیر سایہ تربیت حاصل کی جو انتہائی مذہبی آدمی تھے۔

میں نے ابتدائی تعلیم شہر کے مدارس میں حاصل کی۔ جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرے والد نے مجھے نجف کی مشہور علمی درسگاہ میں داخل کروادیا۔ یہ درسگاہ دنیا کی عظیم ترین درسگاہ ہے۔ میں نے وہاں سماحۃ الامام سید محمد آل حسین کاشف الغطاء جیسے بڑے ناموراور جید علماء سے استفادہ کیا۔

جب میں نجف کی اس عظیم درسگاہ میں زیر تعلیم تھا تو میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی تھی کہ کاش ایسا دن بھی آئے جب میں دینی مسائل میں لوگوں کو مناسب رہنمائی مہیا کرسکوں۔ دین اور امت کی خدمت کرتے ہوئے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا فریضہ سرانجام دے سکوں۔ اسی مقصد کے تحت میں اس حوزہ (درسگاہ) کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

میری یہ شدید خواہش تھی کی مسلمان ایک امت اور ایک معاشرہ بن کر ابھریں اور وہ ایک امیر (خلیفہ) کی اطاعت میں زندگی گزاریں تاکہ کافر طاقتیں امت اسلامیہ کے آگے سرنگوں ہوجائیں اور کفر کا زور ٹوٹ جائے۔ اس کے علاوہ دیگر غیور مسلم نوجوانوں کی طرح میری کئی خواہشات تھیں۔ میں اپنے آپ سے سوال کیا کرتا تھا کہ:۔

وہ کون سی چیز ہے جس نے امت اسلامیہ کو گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں جکڑ رکھا ہے؟ اس کے علاوہ کئی سوالات میرے ذہن میں ابھرتے لیکن کہیں بھی ان کا تسلی بخش جواب نہ ملتا۔ خیر زندگی کے ایام اسی طرح گزرتے گئے اور میں درسگاہ کے مختلف مراحل طے کرتا گیا۔ نصابی کتب پڑھتے پڑھتے میں کئی دفعہ ٹھہر جاتا۔ کئی واقعات مجھے پریشان کردیتے اور بے شمار ایسی باتیں پڑھنے کو ملتیں کہ میں حیران ہوجاتا۔ جب بھی ایسا موقع آتا میں اپنے آپ کو ملامت کرتا کہ تیرا فہم ناقص اور تیرا شعور محدود ہے۔

ایک دفعہ میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں یہ سوالات درسگاہ کی کسی عظیم شخصیت کی خدمت میں عرض کروں۔ اسی غرض سے میں نے چند سوالات درسگاہ کے ایک عظیم استاد کے سامنے رکھے تو انہوں نے چند کلمات بول کر مجھے خاموش کرادیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگے تم درسگاہ میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: مذہب اہل بیت پڑھتا ہوں۔ کیا تمہیں اہل بیت کے مذہب میں کوئی شک ہے؟ میں نے جلدی سے جواب دیا: (معاذ اللہ) اللہ کی پناہ۔ کہا بس پھر ایسے وسوسوں کو قریب نہ آنے دو۔ کیونکہ تم اہل بیت علیہم السلام کے متبعین میں سے ہو، اور اہل بیت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے سیکھا ہے۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا گویا کہ میرے دل کو کچھ تسلی ہوگئی۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، آپ نے مجھے ان وساوس سے دور کردیا اور میں نے پورے جوش وجذبہ سے علم حاصل کرنا شروع کردیا۔ لیکن میں جوں جوں نصاب تعلیم کی منازل طے کرتا گیا، یہ سوالات پھر سے میرے ذہن میں سر اٹھانے لگے۔ کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ مجھ پر حیرانی اور بے بسی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ میں نے اپنی تعلیم مکمل کرلی اور مجھے وقت کے مشہور عالم سماحۃ الامام سید محمد آل حسین کاشف الغطاء، پرنسپل حوزہ (درسگاہ) کی طرف سے افتاء واجتہاد کے رتبے پر فائز ہونے کی امتیازی ڈگری عنایت کردی گئی۔ میں نے تب سے اس موضوع پر سنجیدگی سے غور شروع کردیا کہ ہم مذہب اہل بیت پڑھتے ہیں مگر ہمارے نصاب تعلیم کے اندر اہل بیت کی شان میں گستاخی اور ان کی عزت پر بہت رکیک حملے کئے گئے ہیں اور یہ کہ ہم شرعی نصوص

پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بہتر انداز میں کرسکیں مگر یہاں ایسی نصوص پائی جاتی ہیں جو پروردگار کی ذات اقدس کے ساتھ صریح کفر پر مبنی ہیں۔ اس دوران میں سوچا کرتا کہ:۔

اے پروردگار! ہم یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ ہم اس کو مذہب اہل بیت کہہ سکیں؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اللہ کی عبادت بھی کرتا ہو اور اس کے ساتھ کفر بھی کرتا ہو، وہ حدیث رسول ﷺ پر چلنے کا دعویٰ بھی رکھتا ہو اور ان پر رقیق حملے بھی کرتا ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ بھی کررہا ہو، ان کے مذہب کا پیروکار بھی ہو اور ان پر طعن وتشنیع اور سب وشتم بھی اپنائے ہوئے ہو۔

اے اللہ! میں تیری رحمت اور تیرے اس احسان پر قربان جاؤں۔ اگر تیری خاص رحمت مجھ پر نہ ہوتی تو میں گمراہ اور خسارہ پانے والوں میں سے ہوتا۔ مجھے یہ سوچ کر بہت تعجب ہوتا ہے کہ مجھ سے پہلے اس مذہب کے سینکڑوں علماء اور جید آئمہ کرام کا موقف کیا تھا؟ کیا انہیں وہ بات نظر نہیں آئی جو میں دیکھ چکا ہوں اور کیا وہ یہی نصاب نہیں پڑھتے تھے، جسے میں نے پڑھا ہے؟ کیوں نہیں؟ بلکہ اس مذہب کی اکثر کتب تو انہوں نے ہی تالیف کی ہیں۔ انہی کے قلم یہ معلومات صفحہ قرطاس پر بکھیرتے رہے ہیں۔ جب میں یہ سوچتا تو خون کے آنسو روتا اور میری پریشانی اور حسرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔

میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں سرگرداں تھا جسے اپنے دکھ اور پریشانی بیان کرسکوں۔ یہی سوچتے سوچتے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اپنے تمام نصاب تعلیم پر نظر ثانی کرتا ہوں۔ میں نے اپنے مذہب کے تمام قابلِ اعتماد اور ضعیف مصادر کا مطالعہ شروع کر دیا اور جو کتاب بھی میرے ہاتھ میں آئی، میں نے اسے پڑھنے کی کوشش کی۔ مطالعہ کے دوران مجھے بے

شمار نصوص، فقرات اور مختلف مقامات پر تعلیق (Note) لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں نے ان نصوص کو نقل کرنا اور ان پر حاشیہ وغیرہ لکھنا شروع کر دیا۔ جب میں بنیادی اور قابل اعتماد مراجع (کسی مذہب کی بنیادی کتابیں) سے فارغ ہوا تو میرے پاس حواشی کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگ گیا۔ میں نے تمام اوراق کو اپنے پاس محفوظ کرلیا کہ شاید کسی دن یہ کام آسکیں۔ اس کے بعد میں نے تمام دینی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور مختلف علماء سے مجالس کرتا رہا تاکہ میں حقیقت کا ادراک کرسکوں اور میری مشکل حل ہو سکے۔ آخر کار میں جس نتیجے پر پہنچا، اس کے اظہار کے لئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ میرے انتہائی قریبی دوست علامہ سید موسیٰ الموسوی نے مذہب شیعہ کے انحراف (ٹیڑھا پن) کا واضح اعلان کیا۔ ان کا یہ اقدام میرے لئے اچھی مثال تھی۔ ایسی ہی فکر پر مبنی سید احمد الکاتب کی کتاب (فطور الفکر الشیعی) منظر عام پر آئی جس نے میرے ارادے کو مزید تقویت دی۔ میں نے جب اس کتاب کو پڑھا تو یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یہی وہ وقت ہے کہ ہم حقیقت بیان کرنے میں دیر نہ کریں۔ کیونکہ ہم جیسے علماء سے قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کی بابت جواب دہ ہوں گے لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو حق سے آگاہ کریں خواہ وہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔

شاید میرا اسلوب بیان مذکورہ دونوں سیدوں، موسیٰ الموسوی اور احمد کاتب سے الگ ہو کیونکہ ہم تینوں نے اپنے اپنے انداز سے نصاب کا جائزہ لیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے میرے مقاصد ان سے مختلف ہوں کیونکہ مذکورہ دونوں بھائی عراق چھوڑ کر مغربی ممالک میں سکونت پذیر ہو چکے ہیں جبکہ میں تا حال عراق بلکہ نجف میں مقیم ہوں۔ مجھے کچھ ایسے امکانات لاحق ہیں جو ان دونوں کو نہیں ہیں کیونکہ میں نے کافی سوچ بچار اور تردد کے بعد عراق میں رہنا ہی بہتر سمجھا اور میں اللہ

تعالیٰ ہی سے اجر وثواب کا امیدوار ہوں۔ مجھے یہ بھی مکمل امید ہے کہ یہاں کچھ مشائخ اور آئمہ ہوں گے جو اس بات کا شعور اور ادراک کر چکے ہوں گے اور میری کتاب ان کے لیے حق گوئی میں معاون اور اچھی روایت ثابت ہوگی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میری کوشش ان لوگوں کے لیے حق بیان کرنے، باطل کو چھوڑنے اور صراط مستقیم پر چلنے میں معاون ہو کیونکہ عمر بہت قلیل ہے وقت کم ہے اور ان پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔

میں چند ایسے مشائخ کو جانتا ہوں جو میری دعوت کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور انہوں نے لوگوں کو صحیح رستہ پر گامزن کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ انکو اس کوشش میں کامیاب فرمائے کہ وہ لوگوں کو صحیح راستے کی ہدایت کرتے رہیں اور باطل طریقوں سے دور رہنے کی تلقین فرماتے رہیں۔

میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ میری کتاب کو جھوٹ کا پلندہ، باطل نظریات کا مجموعہ اور دیگر ایسے القابات سے نوازا جائے گا، بعض لوگ یہ بھی کہیں گے کہ یہ اسرائیل یا امریکہ کا ایجنٹ ہے۔ کوئی کہے گا اس نے اپنا دین اور ایمان بیچ ڈالا ہے۔ یہ سب کچھ جاننے اور سننے کو میں پہلے سے تیار ہوں، کیونکہ مجھ سے پہلے میرے دوست علامہ سید موسیٰ الموسوی کے ساتھ یہ سب کچھ ہو چکا ہے حتیٰ کہ سید علی غروری نے ان کے متعلق یہاں تک کہ دیا کہ سعودی عرب کے حکمران شاہ محمد بن عبد العزیز نے اسے وھابی مذہب قبول کرنے کے بدلے میں آل سعود کی ایک انتہائی خوبصورت عورت پیش کی ہے اور بڑی رقم اس کے اکاؤنٹ میں امریکہ کے بنک میں جمع کرائی ہے۔ جب یہ کچھ ان کے بارے میں کہا گیا تو میں کون ہوں کہ ایسے حملوں سے محفوظ رہوں؟ میرے بارے میں پتہ نہیں کیا کچھ کہا جائے گا۔ شاید ایسا بھی ہو کہ قتل کرنے کے لئے

میری تلاش شروع کر دی جائے جیسا کہ مجھ سے پہلے ان لوگوں نے شیعہ مذہب کے بہت بڑے امام مولانا الراحل آیت اللہ العظمی الامام السید ابی الحسن الاصبحانی کو اس وقت قتل کر دیا جب انہوں نے شیعہ منہج کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، حالانکہ یہ شخص بالاتفاق شیعہ علماء کا سردار تھا اور امامت کبریٰ مفقود ہونے کے بعد شیعہ انہیں اپنا سب سے بڑا امام مانتے تھے۔ ان لوگوں نے ان پر کوئی ترس نہیں کھایا اور انہیں دنبے کی طرح ذبح کر دیا تاکہ اصلاح مذہب شیعہ کی فکر دم توڑ جائے، مجھ سے قبل انہوں نے مذہب شیعہ کے انحراف سے پردہ اٹھانے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں بے شمار لوگ اس تلخ حقیقت سے پردہ اٹھانے کے جرم میں شہید ہو چکے ہیں۔ میرے متعلق بھی ایسا ہی پروگرام یہ لوگ بنا سکتے ہیں۔

دوستو! مجھے ان سب خطرات کا کوئی ڈر نہیں۔ میں اپنے بھائیوں کو نصیحت اور سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش میں ہوں۔ اگر میں دنیا کے مال ومتاع کا طلبگار ہوتا تو اس کے لئے متعہ اور خمس کا مال ہی کافی تھا جو میرے حصہ میں آ رہا تھا، جیسا کہ مجھ جیسے علماء شیعہ اس سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ اس وقت شہر کے امیر ترین افراد میں شامل ہیں، ان کے پاس نئے اور مختلف ماڈل کی کئی کئی گاڑیاں ہیں۔ لیکن اللہ کے فضل وکرم سے میں نے سب کچھ پس پشت ڈال دیا ہے اور میں تجارت کے ذریعہ اپنا اور اہل وعیال کا پیٹ پالتا ہوں۔

میں نے اپنی اس کتاب میں چند محدود موضوعات ذکر کیے ہیں جن کو پڑھ کر حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے اور میرا مقصد بھی یہی ہے کہ حق اور باطل کا فرق میرے بھائیوں پر واضح ہو جائے۔

میں نے ایک اور کتاب لکھنے کا پروگرام بنایا ہے تا کہ اس میں ایسے موضوعات زیر بحث لائے جائیں جو عام مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کتاب کو ایسی نہج پر ترتیب دیا جائے کہ ہر مسلمان حجت قاطع کو سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ دلیل کی بنیاد پر بات کر سکے۔

میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میری یہ کتاب حق بات کے متلاشی طلباء و علماء میں ضرور مقبولیت حاصل کرے گی اور یہ بھی انتہائی خوش آئند بات ہے کہ حق بات کے متبعین کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ماسوائے اس کے جو اپنی گمراہی پر قائم رہنا چاہے، مال خمس اور متعہ سے نفسانی خواہشات پوری کرنا چاہے، اور اپنے عملی مرکز کو ان باطل نظریات سے تقویت دینا چاہے، نئے ماڈل کی فینسی گاڑیوں پر مزے کرنا چاہے۔ میری کتاب ایسے لوگوں کو مخاطب نہیں کرے گی۔ وہ جس حال میں ہیں اللہ انہیں ہدایت دے۔ وہ اس دن کفِ افسوس ملیں گے جس دن مال اور اولاد کچھ فائدہ نہ دیں گے:۔

﴿والحمد لله الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لو لا أن هدانا الله﴾

''اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام پر پہنچایا
اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا۔''

☆☆☆

عبداللہ بن سبا

ہمارے ہاں، شیعہ مذہب میں یہ بات پھیلائی گئی ہے کہ عبداللہ بن سبا محض ایک خیالی شخصیت ہے جیسے اہل سنت نے شیعہ پر اعتراض کرنے اور ان کے مذہب میں کیڑے نکالنے کے لئے فرض کیا ہوا ہے اور وہ اسے شیعہ مذہب کا بانی کہتے ہیں تا کہ لوگ اس مذہب اور اہل بیت سے دور رہیں۔

میں نے سید محمد الحسین کاشف الغطاء سے ابنِ سبا کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا ابن سبا ایک وہم اور خیال ہے جسے امویوں اور عباسیوں نے اہل بیت سے دشمنی کی غرض سے اختراع کیا ہوا ہے۔ ہر عاقل انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس شخصیت کے متعلق کچھ نہ سوچے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے شیعہ کی مشہور کتاب (اصل الشيعة و أصولها) کے صفحہ نمبر ۴۰ تا ۴۱ پر کچھ ایسے دلائل ملاحظہ کیے جو اس شخص کی حقیقت اور اسکے وجود کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مؤلف کتاب کہتے ہیں ''عبداللہ بن سبا جسے شیعہ کا رئیس یا شیعہ کو اس کا متبع کیا جاتا ہے، تو خوب جان لو کہ شیعہ مذہب کی تمام کتب میں اسے لعنتی کہا گیا اور اس سے لاتعلقی کا اعلان کیا گیا ہے۔۔۔''

اس دلیل کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ شیعہ مذہب کی کتب اس شخص کے وجود کا اقرار کرتی ہیں۔ بعد میں صاحب کتاب نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ بعید نہیں کہ عبد اللہ بن سبا وغیرہ محض خیالی شخصیت ہے جسے قصہ گو لوگوں نے اختراع کیا ہے۔''

سید مرتضی الکبری نے ''عبداللہ بن سباء واساطیر اخری'' نامی ایک کتاب لکھی جس میں

انہوں نے عبداللہ بن سباء کی شخصیت کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح سید محمد جواد مغنیۃ نے مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں عبداللہ بن سبا کی شخصیت کا شدت سے انکار کیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کی شخصیت سے پردہ اٹھانا اور اس کی زندگی پر لکھنا دراصل اہل سنت کا ایک ایسا جرم ہے جس نے شیعہ کو آتشِ انتقام میں جلا کر رکھ دیا ہے۔ اہل سنت کے بے شمار علماء، ابن سبا کے بارے میں لکھ چکے ہیں حالانکہ اہل سنت کی کتابوں سے قطع نظر جب ہم مذہب شیعہ کی بنیادی معتبر کتابوں کو پڑھتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عبداللہ بن سبا کی شخصیت حقیقت پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہمارے علماء شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں چند حوالہ جات ثبوت کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ ابو جعفر علیہ السلام سے مروی ہے ''عبداللہ بن سبا نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ یہ بھی کہتا تھا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ ہے۔'' جب اس بات کا علم امیر المومنین کو ہوا تو انہوں نے اسے بلایا اور اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا اور کہا ہاں! تو ہی اللہ ہے، مجھے یہ بات القا کی گئی ہے کہ تو اللہ ہے اور میں نبی ہوں۔ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو برباد ہو جائے، تیرے ساتھ یہ مذاق کسی شیطان نے کیا ہے۔ تیری ماں تجھے گم پائے اپنی بات سے رجوع کر اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کر۔ اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اسے قید کر دیا اور تین دن تک مسلسل اسے توبہ کرنے کا حکم دیتے رہے۔ اس نے توبہ نہیں کی تو انہوں نے عبداللہ بن سبا کو آگ میں جلا دیا اور کہا:۔

''شیطان نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ وہ اس کے پاس آتا ہے اور اس کے ذہن میں شیطانی کلمات القا کرتا ہے۔''

ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ: ''عبداللہ بن سبا پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس نے امیر المومنین کو رب کہنے کا مذموم دعویٰ کیا حالانکہ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ تھا۔ وہ برباد ہو جس نے ہم پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔ ہمارے متعلق کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہم خود بھی نہیں کہتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بری الذمہ ہیں۔'' (معرفة اخبار الرجال-لکشی: ۷۰-۷۰)

۲۔ المامقانی نے کہا: ''عبداللہ بن سبا تو وہ ہے جو مرتد ہو گیا اور اس نے غلو کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ وہ گمراہ اور ملعون ہے۔ امیر المومنین نے اسے جلا ڈالا تھا کیونکہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ علی اللہ ہے اور وہ خود نبی ہے۔'' (تنقیح المقال فی علم الرجال: ۲/۱۸۳، ۱۸۵)

۳۔ نوبختی کہتا ہے: ''سبائیوں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا نعرہ لگایا اور کہا کہ ان کو خلیفہ تصور کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ اس قسم کے لوگ عبداللہ بن سبا کے ساتھی ہیں جو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اور تبرابازی کیا کرتا تھا۔ اور وہ یہ جھوٹ بھی بولتا تھا کہ یہ سب کچھ کرنے کا حکم اسے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔'' علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گرفتار کیا اور اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا چنانچہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ سن کر لوگ چیخے اور کہنے لگے اے امیر المومنین آپ اس آدمی کو قتل کر رہے ہیں جو اہل بیت کی محبت اور اہل بیت اور آپ کے دشمنوں سے برأت اور قطع تعلقی کی طرف بلاتا ہے، تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ بات نقل کی ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کیا تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گورنر مقرر کر دیا۔ وہ جب یہودی تھا تو یوشع بن نون کو رب کہتا تھا اور جب اس

نے اسلام قبول کیا تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کہنے لگا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو فرض قرار دیا اور انکے دشمنوں سے قطع تعلق اور برأت کا اعلان کرنے کی طرف لوگوں کو بلایا۔ اس بات کے پیش نظر لوگوں نے کہا: ''رفض۔ گویا رافضی ہونے کی بنیاد یہودی مسلک سے شروع ہوتی ہے۔'' (فرق الشيعة : ص ۳۲۔۳۳)

۴۔ سعد بن عبداللہ الأشعری القمی کہتے ہیں: ''سبائی عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ اس کا پورا نام عبداللہ بن وهب الراسبی الهمدانی ہے۔ اس کے دو مشہور معاون عبداللہ بن خرسی اور ابن اسود ہیں۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر تبرا بازی اور طعن وتشنیع کی ہے۔'' (المقالات والفرق : ۲۰)

۵۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ''علی رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ عبداللہ بن سبا کھڑا ہوا اور کہنے لگا: 'آپ، آپ، آپ۔' علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو برباد ہو جائے میں کیا؟ اس نے کہا: 'آپ اللہ ہیں۔' علی رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔'' (شرح نهج البلاغه: ۵/۵)

۶۔ سید نعمت اللہ جزائری کہتے ہیں: ''عبداللہ بن سبا نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ سچے معبود ہیں۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ یہودی تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ جب یہودی تھا تو یوشع بن نون اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کہا کرتا تھا اور اسلام لانے کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو اس نے معبود برحق کہنا شروع کر دیا۔'' [الأنوار النعمانيه: ۲/۲۳۴]..

یہ چھ دلائل شیعہ مذہب کی ان معتبر اور مشہور کتب سے نقل کیے گئے ہیں جن کا شیعہ

انکار نہیں کر سکتے۔ ہم نے دیگر بے شمار دلائل کا ذکر طوالت کے خوف سے نہیں کیا۔ ان دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا کا وجود حقیقت پر مبنی ہے۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اسے سخت ترین سزا بھی دی تھی۔ لہٰذا اس کے وجود کا انکار ناممکن ہے۔ ثبوت کے طور پر اتنا ہی کافی ہے کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی اس سے ملاقات ہوئی ہے۔

مندرجہ بالا دلائل سے چند نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ ابن سبا کا وجود حقیقی ہے اور دنیا میں ایک فرقہ ایسا پایا جاتا ہے جو اس کی اتباع کرتا ہے جنہیں ''سبائی'' کہتے ہیں۔

۲۔ ابن سبا یہودی تھا جس نے اپنا اسلام ظاہر تو کیا مگر فی الحقیقت وہ یہودی رہا اور مسلمانوں کے اندر اس نے ایسا زہر پھیلایا جو ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنا۔

۳۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن وتشنیع اور سب وشتم کا آغاز کیا اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نعرہ لگایا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بعد خلیفہ بنانا، نبی ﷺ کی وصیت تھی۔ یہ قول یہودی مذہب سے بھی اخذ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اس کا دعویٰ تھا کہ یہ باتیں اس نے اہل بیت کی محبت میں کی ہیں۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے اہل بیت کے دشمنوں (صحابہ کرام نعوذ باللہ) سے برأت کا اظہار کیا اور ان پر طعن وتشنیع کی۔ معلوم ہوا کہ اس کا وجود حقیقت ہے خیالی یا تصوراتی نہیں اور یہ کہ اس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

اس کے علاوہ شیعہ کی مشہور ومعتبر کتابوں میں عبداللہ بن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔ رجال الطوسی، الغارات للثقفی، الکنی

والألقاب لعباس القمي، مناقب آل ابی طالب، لابن شهر آشوب، مرأة الأنوار لمحمد بن طاہر العاملی، قاموس الرجال للتستری، دائرة المعارف للحائری ۔لہٰذا ہمارے علماء شیعہ میں سے جن لوگوں نے ابن سبا کی شخصیت کا انکار کیا ہے ان کی بات میں کوئی سچائی نہیں ہے۔

اہل بیت کی محبت کے دعویٰ کی حقیقت!!

ہمارے ہاں یہ بات شیعہ برادری میں مشہور ہے کہ اہل بیت کے ساتھ ہمارا خصوصی لگاؤ ہے اور شیعہ مذہب اہل بیت کی محبت پر قائم ہے اور یہ کہ ہماری دوستی اور دشمنی کا معیار اہل بیت کی محبت یا عداوت ہے۔اسی وجہ سے وہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء ثلاثہ اور اہل سنت کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔تمام شیعہ افراد چاہے وہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب ہر ایک کے دماغ میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صحابہ نے اہل بیت پر ظلم کیا، ان کا خون بہایا ہے اور ان کی عزت پامال کی۔نیز یہ کہ اہل سنت نے اہل بیت کی دشمنی کو اپنا مشن بنا رکھا ہے۔ہم میں سے ہر ایک اہل سنت کو ناصبی (خلافت چھیننے والے) کہہ کر پکارتا ہے اور ہمیشہ امام حسین کا تذکرہ کرتا رہتا ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے شیعہ مذہب کی معتبر اور بنیادی کتب اس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ اہل بیت کے حقیقی دشمن شیعہ ہیں۔انہوں نے ہی اہل بیت کے ہنستے مسکراتے ہوئے گھر اجاڑے ہیں۔انہوں نے ہی ان کا مقدس خون بہایا۔ہماری کتب یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اہل بیت کے پہلے افراد ہی شیعہ کی دشمنی میں مبتلا تھے۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقتل سجانے والے، خون بہانے والے اور اہل بیت کو شہید کرنے والے خود شیعہ ہی ہیں۔

امیر المومنین علیؓ نے فرمایا:۔

''اگر میں شیعہ کا کوئی وصف بیان کروں تو فقط یہ ہے کہ وہ باتیں کرنے والے ہیں، اگر میں ان کو کسی آزمائش میں مبتلا کروں تو یہ مرتد ہو جائیں گے اور اگر میں ان سے قربانی دینے والوں کو پرکھنا چاہوں تو ہزار میں سے ایک بھی اس معیار پر پورا نہیں اترے گا۔'' (الکافی / الروضة: ۸/۳۳۸)

امیر المؤمنین ہی سے مروی ہے: ''اے مَردوں سے مشابہ نامردو، بچوں کی ذہنیت رکھنے والو اور اے مداریوں کی جماعت! کاش کہ میں نے نہ ہی تمہیں دیکھا ہوتا اور نہ ہی تمہارے ساتھ کوئی تعارف ہوتا۔اللہ کی قسم! تم نے مجھے ندامت اور صدمات سے دوچار کر دیا ہے۔تمہیں اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے تم نے میرا دل رنج والم اور میرا سینہ غیض وغضب سے بھر دیا ہے۔تم نے اپنی ہر حرکت سے مجھے نفرت کے گھونٹ پلائے ہیں۔تم نے مسلسل نافرمانی اور بزدلی سے میرے مشوروں اور منصوبوں کا ناکام کیا ہے حتیٰ کہ قریش کے لوگ یہ کہنے لگے کہ بے شک ابی طالب کا بیٹا (علی رضی اللہ عنہ) بہادر آدمی ہے مگر اس کو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کے منصوبہ اور رائے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔'' (نہج البلاغہ: ۷۰، ۷۱)

اور فرمایا: ''کانوں کے باوجود بہرے، زبان کے باوجود گونگے، آنکھوں کے باوجود اندھے، کسی کو صدق واخلاص کے ساتھ نہ ملنے والے، مصیبت میں کام نہ آنے والے بھائی۔تم تو ابن ابی طالب (علی رضی اللہ عنہ) سے (مصیبت کے وقت) ایسے دور ہٹ گئے ہو جیسے (عورت) کا گندہ گوشت کھل جاتا ہے۔'' (نہج البلاغہ: ۱۳۲)

جناب حسین علیہ السلام نے شیعہ پر بددعا کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اے اللہ! اگر تو ان

کو زندہ رکھے تو ان کو فرقوں میں تقسیم کر دینا اور ان کی راہیں جدا جدا کر دینا اور ان سے ان کے امیروں کو کبھی راضی نہ کرنا۔ انہوں نے ہمیں بلایا تا کہ ہماری مدد کریں مگر انہوں نے ہمارے ساتھ دشمنی کی اور ہمیں قتل کیا۔" (الارشاد المفید : ۲۴۱)

یہ دلائل ثابت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے حقیقی قاتل کون ہیں؟ وہ کوفہ کے شیعہ ہیں یعنی ہمارے آباؤ اجداد پھر ہم کس بنیاد پر اہل سنت کو امام حسینؓ کا قاتل کہتے ہیں؟؟

یہی وجہ ہے کہ سید محسن الامین نے کہا: "اہل عراق میں سے بیس ہزار (۲۰۰۰۰) لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کی بیعت کی اور ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور ان کے خلاف میدان میں نکل آئے۔ یہ بیعت ان کی گردنوں میں ہے کیونکہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔" (أعیان الشیعة / القسم اول : ۳۴)

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں سے بہتر خیال کرتا ہوں جو اپنے آپ کو میرا گروہ (شیعہ) بتاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی، میرا مال ہڑپ کر لیا.....اور میرے گھر والے محفوظ رہیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے اہل بیت یونہی ضائع ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر میں معاویہ سے لڑائی کرتا تو یہ میری گردن دبوچ کر مجھے گرفتار کروا دیتے۔ میں عزت کے ساتھ صلح کی زندگی کو دھوکہ کے ساتھ گرفتاری کی موت پر بہتر خیال کرتا ہوں۔" (الأحتجاج: ۲/۱۰)

امام زین العابدین علیہ السلام نے اہل کوفہ سے فرمایا: "کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ تم نے خود میرے باپ کی طرف خط لکھے، پھر تم نے ان سے دھوکہ کیا حالانکہ تم (بیعت) کا وعدہ اور پختہ اقرار کر چکے تھے۔ تم نے ان سے لڑائی کی اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ تم کس

امید پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کی طرف دیکھ رہے ہو؟ کیا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ سکیں کہ تم نے میرے کنبہ وقبیلہ کو قتل کیا اور میری عزت پر حملہ کیا۔ تم میری امت نہیں ہو۔" (الأحتجاج: ۲/۳۲)

اور فرمایا: "یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں لیکن ہمیں ان کے علاوہ کس نے قتل کیا؟" (الأحتجاج: ۲/۲۹)

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اگر تمام لوگ ہمارے شیعہ (گروہ) بن جائیں تو ان میں سے تین حصے ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے ہونگے اور باقی ایک حصہ بیوقوفوں کا ٹولہ ہوگا۔" (رجال الکشی: ۷۹)

صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی سے تین شخص بھی ایسے ہوں جو میری بات کو نہ چھپائیں گے تو میں کبھی ان کے لئے ایک بات چھپانا بھی جائز نہ سمجھوں گا۔" (أصول الکافی: ۱/۴۹۶)

فاطمہ صغریٰ علیہ السلام نے فرمایا "اے اہل کوفہ، اے مکار، دھوکے باز اور متکبر لوگو، ہم اہل بیت کو اللہ نے تمہارے اور تمہیں ہمارے معاملہ میں آزمایا۔ کیا ہم اس آزمائش میں خوب پورے اترے...تم نے ہمیں جھٹلایا، ہماری ناقدری کی، ہمارا قتل تم نے جائز سمجھا اور ہمارے اموال کو تم نے غنیمت جانا...کل بھی تم نے ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ یہی سلوک کیا، تمہاری تلوار سے ابھی تک اہل بیت کا خون ٹپک رہا ہے۔ تم برباد ہو جاؤ، تم اللہ کے عذاب اور اس کی لعنت کا انتظار کرو، یہ تمہارے اوپر حق ہو چکی ہے.... تم ایک دوسرے پر عذاب بن کر ٹوٹ پڑو گے، تم ہمارے اوپر ظلم کرنے کی وجہ سے قیامت تک دردناک عذاب میں مبتلا رہو گے۔ خبردار!

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔اے اہل کوفہ!تم لوگ برباد ہو جاؤ۔تم نے ان کے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دھوکہ کیا۔تم نے میرے دادا اور اس کے بیٹوں اور اسکے مقدس خاندان کے ساتھ دھوکہ کیا۔''

اہل کوفہ نے سن کر کہا''ہاں! ہم نے ہی علی (رضی اللہ عنہ) اور اسکے دونوں بیٹوں کو تلواروں اور نیزوں سے قتل کیا، ان کی عورتوں کو قیدی بنایا اور ہم نے ان کو خوب زخم لگائے۔''
(الاحتجاج ۲/۲۸)

زینب بنت امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) صلوات اللہ علیھا نے اہل کوفہ کو شرمندہ کرتے ہوئے کہا'' اے کوفہ والو! اے فریبی مکار اور بزدلوں کی جماعت، تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔کیا تمہارے پاس ڈینگیں مارنے، تکبر کرنے، خودنمائی جھوٹ اور بغض کے علاوہ کچھ ہے؟۔تم نے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا قتل بہت سستا خیال کرلیا ہے...''(الاحتجاج ۲/۲۹۔۳۰)

قارئین کرام!اس قسم کے بے شمار دلائل جو ہماری کتب میں موجود ہیں، تمام کو چھوڑتے ہوئے ہم نے چند کا تذکرہ آپ کے سامنے کیا ہے۔ان سے ہم مندرجہ ذیل نکات اخذ کر سکتے ہیں۔

۱۔ امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) اور انکی اولاد نے کوفہ کے شیعوں سے ناقابل تلافی نقصان، پریشانی اور تنگی اٹھائی یہ سب کچھ ان کی فریب کاری، دھوکہ دہی اور غلط بیانی کا نتیجہ ہے۔

۲۔ اہل کوفہ کے مکر بازی اور دھوکہ دہی کی وجہ سے اہل بیت کا مقدس خون پانی کی مانند بہایا گیا۔

کشف الأسرار

۳۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار شیعہ ہیں۔آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فاطمہ صغریٰ علیہا السلام اور ان کے رفقاء کے جواب میں شیعوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہی علی رضی اللہ عنہ اور اسکے بیٹوں کے قاتل ہیں۔

۴۔ اہل بیت نے یہ وضاحت کی ہے کہ شیعہ اس امت کے طاغوت، دھوکہ باز اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے ہیں۔صرف اسی پر بس نہیں بلکہ یہ لعنتی قسم کے لوگ ہیں۔جب یہ لوگ ابو عبداللہ علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو کہنے لگے''ہمارا ایک ایسا نام رکھا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ دی ہے، اور ہمارے دل اسے سن سن کر بے سکون ہو چکے ہیں، اس کی بنیاد پر ہمارے خون بھی جائز کر دیے گئے ہیں۔یہ (لقب) انکے فقہاء نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے۔ابو عبداللہ فوراً فرمانے لگے، الرافضۃ؟ کہنے لگے ہاں۔انہوں نے جواب دیا نہیں اللہ کی قسم! ان فقہاء نے تمہیں یہ لقب نہیں دیا بلکہ تمہارا یہ نام تو اللہ تعالیٰ نے رکھا۔''(الکافی ۵/۳۳)

ابو عبداللہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ تمہارا یہ نام اہل سنت نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

میں نے ایسے دلائل کو بار بار پڑھا اور ان کے متعلق بہت زیادہ سوچ بچار بھی کیا۔میں نے ان کو اپنی خاص فائل میں لکھ رکھا تھا۔راتوں کو جاگ جاگ کر ان میں غور فکر کرتا رہا۔اس کے علاوہ بھی کئی نصوص کا مطالعہ کیا جو ان نقل شدہ دلائل سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔میں آخر کار ایک دن باآواز بلند یہ کہنے پر مجبور ہو گیا:''اے اہل بیت!شیعہ کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

ہم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ انبیاء کرام کو ناقابل بیان پریشانیوں کا سامنا کرنا

پڑا۔ان کی قوموں نے ان کو تنگ کرنے کی انتہا کردی حتی کہ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ بھی اپنی قوم کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہ رہ سکے لیکن مجھے اس میدان میں دو قوموں پر بہت تعجب ہوا۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے تنگ کرنے اور بار بار عہد توڑنے کی انتہا کردی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے صبر کی اخیر کردی۔قرآن کریم نے اسی لئے بار بار انکا تذکرہ کیا ہے۔اور دوسرا اہل بیت !اہل کوفہ نے ان کو دکھ اور تکلیف دینے ،دھوکہ دہی ، بے وفائی اور بدعہدی کرنے ،ان کا مال لوٹنے اور ان کے آدمی قتل کرنے کی حد کردی۔اور اہل بیت نے صبر کرنے میں کمال کردیا۔اسکے باوجود ہم (شیعہ) اہل سنت کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔

جب ہم اپنی معتبر ترین کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو عجیب وغریب چیزیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔حتی کہ جب ہم اس معاملہ میں کسی سے بات کرتے ہیں تو وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا کہ کتب شیعہ میں اہل بیت اور نبی ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے۔چند ایک مقامات کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

امیر المؤمنین بیان کرتے ہیں کہ عفیر (نبی ﷺ کا گدھا) آپ ﷺ سے کہنے لگا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔میرے ماں باپ نے مجھے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے،اس نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ وہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔نوح علیہ السلام اس کے پاس آئے ،اس پر ہاتھ پھیرا اور کہا اس گدھے کی نسل سے ایک گدھا پیدا ہوگا جس پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سواری کریں گے۔اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ گدھا بنا ڈالا۔(اصول الکافی : ۱/۲۳۷)

اس روایت سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ کیا گدھا باتیں بھی کرتا ہے؟ ۲۔ گدھے نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، حالانکہ یہ بات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہا کرتے تھے۔ ۳۔ گدھے نے سند بیان کرتے ہوئے اپنی چار پشتوں تک کا واسطہ بیان کیا حالانکہ محمد ﷺ اور نوح علیہ السلام کے عہد کے درمیان ہزاروں سال کی مدت ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ گدھا نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔جب نجف میں امام خوئی کے پاس ہم ایک ادارہ میں اصول الکافی پڑھ رہے تھے تو بعض طلبا کے سوال کا رد کرتے ہوئے امام خوئی نے کہا:''نوح علیہ السلام کا معجزہ دیکھیں کہ محمد ﷺ کی نبوت کی خبر ہزاروں سال پہلے دے رہے ہیں۔''امام خوئی کے یہ الفاظ ایک مدت تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔میں دل میں کہا کرتا تھا یہ کیسے معجزہ ہوسکتا ہے۔جس میں ایک گدھا نبی ﷺ کو کہہ رہا ہے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اور کیا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ایسی روایات نقل کرسکتے ہیں!!لیکن میں دوسرے سامعین کی طرح خاموش رہا۔

بعض صدوق نے امام رضا علیہ السلام کی تفسیر نقل کرتے ہوئے کہا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق ہے:'' **واذ تقول للذی أنعم الله علیه و أنعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله و تخفی فی نفسک ما الله مبدیه و تخشی الناس** '' (الاحزاب: ۳۷)... ''ایک دن نبی ﷺ کسی کام کی غرض سے زید بن حارثہ کے گھر گئے اور ان کی بیوی زینب کو نہاتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا''۔

(عیون أخبار الرضا :۱۱۳)

کیا نبی ﷺ کسی مسلمان کی بیوی کی طرف اس طرح دیکھ سکتے ہیں اور پھر اسے پسند کیا

اور اس کے حسن پر تعجب کیا، پھر کہا پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا۔ کیا یہ نبی ﷺ کی ذات گرامی پر الزام تراشی نہیں ہے؟؟

امیر المؤمنین بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ ان کے پاس ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے۔ میں آپ ﷺ اور عائشہؓ کے درمیان جا بیٹھا تو عائشہؓ کہنے لگیں: ''کیا تجھے بیٹھنے کے لئے میری اور رسول اللہ ﷺ کی ران کے علاوہ کوئی اور جگہ نہیں ملی؟'' رسول اللہ نے فرمایا: ''عائشہ! خاموش ہو جاؤ۔'' (البرہان فی تفسیر القرآن: ۲۲۵/۴)

پھر ایک دفعہ آئے اور انہیں بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہ ملی تو رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ادھر آجاؤ یعنی آپ ﷺ کے پیچھے جبکہ آپ ﷺ کے پیچھے عائشہؓ تھیں اور انہوں نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ لہٰذا علیؓ آئے اور عائشہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بیٹھ گئے۔ عائشہؓ غصے سے کہنے لگیں: تجھے اپنی دبر ٹکانے کے لئے میری گود کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ملی؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اے سرخ رنگ والی! مجھے میرے بھائی کے بارے میں تکلیف نہ دو۔'' (کتاب مسلم بن قیس: ۱۷۹)

مجلسی روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا اور میرے علاوہ کوئی اور خدمت گزار بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک لحاف تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ عائشہؓ تھیں۔ نبی ﷺ میرے اور عائشہؓ کے درمیان سوتے، یعنی ہم تینوں کے اوپر ایک لحاف تھا اور بچھونا نہ تھا۔ جب آپ ﷺ رات کی نماز (تہجد) کے لئے کھڑے ہوتے تو لحاف کو درمیان سے دبا کر زمین کے ساتھ ملا دیتے حتی کہ

لحاف نچلے بستر کے ساتھ لگ جاتا۔'' (بحار الأنوار: ۴۰/۲)

ان واقعات پر غور کریں اور سوچیں کیا رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند کر سکتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ان کی بیوی عائشہؓ کی گود میں بیٹھیں؟ کیا نبی ﷺ نے اس بات پر غیرت نہیں کھائی کہ ان کی بیوی ان کے چچازاد بھائی کے ساتھ ایک بستر میں سوتا چھوڑ دیا؟ امیر المؤمنینؓ بذات خود اس بات کو کیسے پسند کر سکتے ہیں؟

سید علی غروی، حوزہ کے کبار علماء میں سے ایک ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''نبی ﷺ کی شرمگاہ کو لازمی طور پر آگ میں جلنا ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے بعض مشرکات (عائشہ وحفصہؓ) کے ساتھ ہم بستری کی ہے۔''

یہ نبی ﷺ کی توہین نہیں تو اور کیا ہے! ہمارا ایمان ہے کہ اگر نبی ﷺ کی شرمگاہ آگ میں جلے گی تو کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں ان چھ روایات پر ہی اکتفا کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہیں۔ بعض روایات جو امیر المؤمنین کے متعلق ہیں اب میں وہ درج کرنا چاہتا ہوں۔

ابو عبداللہ علیہ السلام روایت کرتے ہیں: ''عمر فاروقؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو ایک انصاری کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور اس کے ساتھ اپنی خواہش پوری نہ ہونے کی صورت میں اس نے ایک انڈے کی سفیدی اپنے کپڑوں اور اپنی ٹانگوں کے درمیان بہا دی۔ علیؓ کھڑے ہوئے اور اس کی ٹانگوں (سرینوں) کے درمیان دیکھا اور اسے قصوروار ٹھہرایا۔'' (بحار الأنوار: ۲۰۳/۴)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا امیر المؤمنین کسی اجنبی عورت کی ٹانگوں کے درمیان دیکھیں گے

اور کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ امام صادق اس بات کو نقل کریں۔؟ کیا ایسا کلام اہل بیت سے محبت کرنے والا آدمی کہہ سکتا ہے؟؟

ابو عبداللہ علیہ السلام روایت کرتے ہیں: ''ایک بدکار عورت کھڑی ہوئی جبکہ امیر المؤمنین منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں، اس نے کہا: ''یہ میرے عاشقوں کا قاتل ہے۔'' آپ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ''اے گندی عورت! اے بے حیا! اے کمینی! اے وہ عورت جو عورتوں کی طرح حائضہ نہیں ہوتی.....''

کیا امیر المؤمنین اس طرح کا کلام کر سکتے ہیں ؟

اور کیا صادق علیہ السلام اس طرح کا باطل کلام نقل کر سکتے ہیں۔ اگر یہ کلام اہل سنت کی کتابوں میں ہوتا تو ہم پوری دنیا سر پر اٹھا لیتے اور انہیں ہم شدید الفاظ میں برا بھلا کہتے لیکن یہ کلام تو ہماری شیعہ کتب میں ہے۔

۳۔ طبرسی کی کتاب الاحتجاج میں ہے کہ فاطمہ علیہا السلام نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو کہا: اے ابن ابی طالب! اے مولود کی عادت والے! تو بدگمانی کے حجرہ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

۴۔ طبرسی نے ہی الاحتجاج میں نقل کیا ہے کہ عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر المومنین کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا حتیٰ کہ انہیں ابو بکرؓ کے پاس لے آئے۔ امیر المؤمنین نے التجائیہ انداز میں کہا: اس قوم نے مجھے ذلیل کر دیا ہے اور قریب ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا امیر المومنین اس حد تک کمزور اور بزدل تھے؟

شیعہ نے امیر المومنین کی جسامت کس طرح بیان کی ہے کہ فاطمہؓ ان کے بارے میں کہتی ہیں: قریش کی عورتوں نے ان کی جسامت بیان کرتے ہوئے کہا ''وہ موٹے اور بڑے

پیٹ والا اور موٹی رانوں والا ہے، موٹے کندھوں والا، پست قد، بڑی بڑی آنکھوں والا، اونٹ کی طرح چوڑے کندھوں والا، ہر وقت فضول ہنسنے والا جس کا اپنا کوئی مال نہیں۔ (تفسیر القمی: ۲/۲۳۶)''

پھر کہا جمعہ کے دن میرا باپ مجھے مسجد لے کر گیا۔ اس نے مجھے اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ علیؓ خطبہ دے رہے تھے گویا منبر پر ایک بوڑھا تھا۔ گنجا، ابھری ہوئی پیشانی والا، دو کندھوں میں نامناسب فاصلے والا، آنکھوں میں کمزوری اور سفیدی والا۔ (مقاتل الطالبین)

کیا یہ اوصاف امیر المومنین کے ہیں؟

ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں تا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی چند روایات نقل کر سکیں:

۱۔ ابو جعفر الکلینی اصول الکافی میں روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمر فاروقؓ کو گریبان سے پکڑا اور اپنی طرف زور سے کھینچا۔

اور سلیم بن قیس کی کتاب میں ہے کہ ''وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے پاس آئیں اور فدک کے معاملہ میں ان سے جھگڑا شروع کر دیا اور لوگوں کی موجودگی میں اونچا اونچا بولنا اور چیخنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے (ص ۲۵۳)''

کیا فاطمہ علیہا السلام ایسا کر سکتی ہیں؟

۲۔ الکلینی روایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: فاطمہ علیہا السلام علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی پر رضامند نہ تھیں۔ جب ان کے پاس ان کے والد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا تو کیوں رو رہی ہے؟ اللہ کی قسم! اگر میرے رشتہ داروں میں ان سے کوئی بہتر ہوتا تو تیری شادی اس سے کر دیتا اور یہ شادی بھی میں نے نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی

ہے۔ایک دفعہ جب ان کے پاس ان کے والد آئے تو انہوں نے اپنے والد کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور مسلسل آنسو بہاتی رہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا میری لخت جگر! تو کیوں رو رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ''کم کھانا، زیادہ غم اور سخت پریشانی'' ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم میرا غم شدید ہو گیا ہے، اور بیماری لمبی ہو گئی ہے''۔(کشف الغمۃ ۱/۱۴۹-۱۵۰)

ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کا وصف اور جسامت بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''کہ علی علیہ السلام گندمی رنگ کے موٹے، پست قامت (بونے کے قریب) بڑے پیٹ والے، باریک انگلیوں والے، بڑی بڑی داڑھی والے، موٹی رانوں والے تھے۔''

جب یہ اوصاف اور مذکورہ جسامت امیر المومنین کی ہے تو فاطمہ علیہا السلام کس طرح انہیں پسند کر سکتی ہیں؟ (مقاتل الطالبین: ۲۷)

یہ کیا بیہودہ گفتگو ہے؟

ہم طوالت کے ڈر سے یہی نصوص ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہمارا ارادہ تو یہ تھا کہ ہم ہر امام کے متعلق ان کی تمام روایات کو نقل کرتے۔لیکن ہم نے سوچا کہ فقط پانچ پانچ روایات ہی کافی ہیں مگر ہم نے دیکھا کہ یہ معاملہ بھی طوالت اختیار کر رہا ہے۔ہم نے پانچ روایات نبی صلی اللہ علیہ وسلم، پانچ روایات امیر المومنین اور پانچ روایات فاطمہ علیہ السلام کے بارے میں نقل کی مگر بات لمبی ہونے کا ڈر ہے چند روایات کا تذکرہ ہی مناسب سمجھا۔

الکلینی نے اصول الکافی میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہا: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹے کی خوشخبری دے

رہا ہے جو فاطمہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوگا اور آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد اسے قتل کر دے گی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے جبرائیل! میرے رب کو میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں جو فاطمہ کے بطن سے پیدا ہو اور اسے میری امت میرے بعد قتل کر دے۔'' جبرائیل آسمان کی طرف چڑھ گئے۔پھر نازل ہوئے اور کہا: ''اے محمد! آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس بچے کی نسل میں امامت، ولایت اور وصیت ہوگی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں راضی ہوں۔'' پھر انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری سناتا ہے جسے میری امت بعد میں قتل کر دے گی۔انہوں نے جواباً کہا، مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں جسے آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد قتل کر دے۔آپ ﷺ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کی نسل میں امامت، ولایت اور وصیت رکھی ہے۔انہوں نے جواب بھیجا کہ پھر میں راضی ہوں۔پس انکو حمل ٹھہرا۔اور پھر وضع حمل ہوا تو حسین علیہ السلام پیدا ہوئے جنہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہ کا دودھ نہ پیا اور نہ ہی کسی دوسری عورت کا دودھ پیا۔جب ان کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ ﷺ نے اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھا تو انہوں نے اس کو چوسنا شروع کر دیا۔فاطمہ اور علی علیہ السلام نے اپنے رب کی خوشخبری اور قضاء قدر کو رد کر دیا اور کہہ دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی خوشخبری کی ضرورت نہیں ہے۔کیا فاطمہ علیہا السلام نے حسین علیہ السلام کے حمل کو ناپسند کیا؟ پھر ان کی پیدائش کو بھی ناپسند کیا؟ اور پھر بچے نے ماں کا دودھ نہ پیا حتیٰ کہ نبی ﷺ کے انگوٹھے کو چوس کر گزارہ کیا جو دو یا تین دن کے لئے کافی ہوتا تھا؟

ہم کہتے ہیں بے شک ہمارے مولا اور ہمارے سید حسین علیہ السلام اس بات سے اعلیٰ

اور بلند تر ہیں۔ وہ اس باطل کلام سے کہیں بلند ہیں کہ ان کی ماں ان کو ناپسند کرے۔ دنیا کی ہر مسلمان ماں اس بات کو آج بھی پسند کرے گی کہ اگر اس کے بطن سے حسین جیسا بیٹا پیدا ہو تو ایک نہ ہوں کم از کم دس ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ فاطمہ علیہا السلام جیسی پاکباز اور طاہرہ ماں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسے بیٹے اور حمل اور ولادت کو ناپسند کرے اور ایسا بیٹا اپنی ماں کا دودھ نہ پیے۔

ہم ایک دفعہ اپنے بعض طالب علم بھائیوں کے ساتھ حوزہ میں امام خوئی کی مجلس میں حاضر تھے کہ انہوں نے مختلف موضوعات پر بحث کرنے کے بعد کہا: ''اللہ کافروں کو تباہ و برباد کرے۔'' ہم نے کہا کون؟ کہنے لگے نواصب (اہل سنت) وہ سیدنا حسین کو بلکہ تمام اہل بیت کو گالیاں دیتے ہیں۔ میں امام خوئی کو کیا کہہ سکتا ہوں۔

ایک اور مقام ملاحظہ ہو۔ جب امیر المومنین نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عمر بن خطاب سے کی تو ابو جعفر الکلینی ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس شادی کے بارے میں کہا: ''یہ وہ شرمگاہ ہے جس کو ہم سے قبضہ میں لے لیا گیا ہے۔'' (فروع الکافی: ۱۴۱/۲)

ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عمرؓ نے یہ شادی شریعت کے مطابق کی تھی یا ام کلثوم پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔ یہ کلام امام صادق کے ساتھ منسوب ہے۔ اور یہ واضح کلام ہے۔ کیا ابو عبداللہ یہ کلام کر سکتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق ہے۔

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ام کلثوم پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا، تو اس کے باپ اللہ کے شیر، اللہ کی تلوار اور قریش کے سپہ سالار کیسے راضی ہو گئے؟

جب ہم کتاب الروضہ میں کافی کا کلام ۱۰۱/۸ پر پڑھتے ہیں تو حدیث ابی بصیر ملتی ہے

کہ ایک عورت ان کے ساتھ ابو عبداللہ کے پاس آئی اور ان سے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں پوچھنے لگی تو انہوں نے کہا کہ ان کی ولایت قبول کر لو، اس نے کہا میں قیامت کے دن اپنے رب سے کہہ دوں گی کہ آپ نے مجھے ان دونوں کی ولایت قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرمایا ہاں! میں ذمہ دار ہوں۔

کیا وہ شخص جو ابو بکر اور عمر کی ولایت قبول کرنے کا حکم دے رہا ہے وہ عمر فاروق پر یہ تہمت لگا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک عورت جو کہ امیر المومنین کی بیٹی ہے پر قبضہ کر لیا تھا؟

میں نے جب امام خوئی سے ابو عبداللہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے تو ابو بکرؓ اور عمرؓ کی ولایت قبول کرنے کا حکم دیا تھا، وہ یہ غصب والی بات کیسے کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انہوں نے تقیہ کے طور پر ایسا کہا تھا۔

میں نے عرض کیا کہ جب مذکورہ عورت اہل بیت کے شیعہ میں سے تھی اور ابو بصیر صادق علیہ السلام کے شاگردوں اور ساتھیوں میں سے تھے تو تقیہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت اور کوئی سبب ہی نہیں تھا۔ وہ خاموش ہوئے درحقیقت ابو القاسم الخوئی کی یہ بات غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

مفید نے الارشاد میں اہل کوفہ کے متعلق نقل کیا ہے۔ ''ان لوگوں نے حسن علیہ السلام کے خیمہ پر حملہ کیا تھا اور انہیں زدوکوب کیا اور ان کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی حتی کہ وہ ہٹ کر رونے لگ گئے اور اپنی تلوار گلے میں لٹکالی ان پر چادر وغیرہ بھی نہیں تھی۔'' (ص ۱۹۰)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حسن علیہ السلام ننگے ہی بیٹھ کر رو رہے تھے۔ کیا اہل بیت کی محبت یہی ہے؟

امام حسن ایک گھر میں تشریف فرما تھے۔ سفیان بن ابو یسفی ان کے پاس آئے اور کہا: اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے السلام علیکم! انہوں نے کہا تو یہ بات کیسے کہہ رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ''تو نے ولایت امت کا قصد کیا پھر اسے ترک کر دیا اور ان طاغوتوں کے گلے میں ڈال دیا جو اللہ کے حکم کے بغیر فیصلہ کرتے ہیں۔'' (رجال الکشی : ۱۰۳)

کیا حسن علیہ السلام امت کو ذلیل کرنے والے ہیں یا عزت اور وقار دینے والے ہیں؟ انہوں نے ان کا خون بہنے سے بچایا اور ان کی صفوں کو متحد کیا اور بہت ہی دانش مندانہ فیصلہ فرمایا۔

اگر حسن علیہ السلام معاویہؓ سے جنگ کرتے اور خلافت کے حصول کے لئے لڑائی کا راستہ اختیار کرتے تو مسلمانوں کے خون کا سمندر بہہ جاتا اور ایک کثیر تعداد قتل ہو جاتی اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ تعداد کس عدد تک پہنچ جاتی، امت پارہ پارہ ہوتی اور بالآخر ختم ہو کر رہ جاتی۔

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں نے ایسی باتیں ابو عبداللہ علیہ السلام کے بارے میں کہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ایسی فضول اور واہیات کلام سے بری الذمہ ہیں۔

جہاں تک امام صادق علیہ السلام کا تعلق ہے تو شیعہ حضرات نے ان کو کئی اعتبار سے ایذاء پہنچائی ہے اور انکی جانب ہر قبیح قول یا فعل کو منسوب کیا ہے۔ زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے تشہد کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ ایسے ہی ہے؟ اور میں نے انہیں یہ پڑھ کر بھی سنایا۔ انہوں نے جواباً مجھے کہا کہ ہاں ایسے ہی ہے۔ جب میں مجلس سے اٹھنے لگا تو میں نے ابو عبداللہ کی بات کو رد کرتے ہوئے اور ان کی داڑھی نوچ کر کہا کہ وہ کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ (رجال الکشی: ۱۴۲)

میرا دل چاہتا ہے کہ میں امام صادق کے حق میں خون کے آنسو روؤں۔ یہ کس قدر قبیح

کلمہ ہے جو امام ابو عبداللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ کیا زرارہ ابو عبداللہ کے منہ پر ہی اس کی تردید کر سکتا ہے؟ اور کیا وہ ابو عبداللہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کبھی فلاح نہیں پائیں گے؟

الکشی کی کتاب کو معرض وجود میں آئے ہوئے قریباً دس صدیاں بیت چکی ہیں اور شیعہ کے تمام فرقوں کے علماء کے پاس یہ موجود ہوتی ہے لیکن میں نے کسی بھی شیعی عالم کو اس کلام پر اعتراض کرتے نہیں پایا، نہ کسی نے اس پر متنبہ کیا اور نہ ہی کسی نے اس سے اجنبیت محسوس کی۔

امام خوئی جب اپنی ضخیم کتاب ''معجم رجال الحدیث'' کی تالیف میں مصروف تھے تو میں مختلف کتابوں سے روایات تلاش کر کے ان کی اعانت کیا کرتا تھا۔ جب میں نے اس پر یہ روایت پیش کی تو لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئے کہ

''لکل جواد کبوة
ولکل عالم هفوة''

''ہر سخی کبھی منہ کے بل گرتا ہے
اور ہر عالم کبھی لغزش کھا جاتا ہے۔''

مذکورہ روایت پر امام خوئی کا صرف اتنا ہی تبصرہ تھا، لیکن میری اس جلیل القدر امام سے گزارش تھے کہ جناب ہفوات کا سبب کوئی غفلت یا خطاء ہوتی ہے اور نہ ہی یہ مقصود بالذات ہوتی ہے۔ میرا آپ سے باپ بیٹے کا تعلق ہے لہٰذا میں آپ کے کلام کو حسن نیت پر محمول کرتا ہوں ورنہ مجھے اس موقع پر آپ سے خاموشی کی قطعاً توقع نہ تھی کیونکہ یہاں امام صادق کی توہین کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینی کہتے ہیں: مجھ کو ہشام بن حکم اور حماد نے زرارہ کے بارے میں بتلایا تو

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کو تو امامت کا ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے۔ اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ شخص (صادق) بیوقوف تھا، اس کو مسئلہ امامت بارے کوئی خبر نہ تھی۔ میں کہتا ہوں کیا امام صادق بیوقوف ہیں اور ان کو کوئی عقل نہیں ہے؟ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے کہ اہل بیت کرام کے ساتھ سب وشتم میں اس قدر دیدہ دلیری! حالانکہ اہل بیت تو ادب واحترام کے مستحق ہیں۔

حضرت عباسؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبیداللہ بن عباسؓ بھی شیعہ حضرات کے لعن طعن اور ملامت سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ الکشی کہتا ہے کہ آیت کریمہ **فلبئس المولی ولبئس العشیر** عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ (رجال الکشی: ۵۴)

اللہ تعالیٰ کا فرمان **ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا** اور اللہ تعالیٰ کا فرمان **ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم** بھی عباسؓ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ (رجال الکشی: ۵۲/۵۳)

الکشی کہتا ہے کہ امیر المؤمنین نے عباس، عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم کے خلاف بددعا فرمائی تھی: اللہ! عباس کے دونوں بیٹوں پر لعنت فرما اور ان کی آنکھوں کو اندھا فرمادے جس طرح تو نے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے۔ اے اللہ! ان کی آنکھوں کو اندھا کرنے کو اس بات کی دلیل بنادے کہ ان کے دل بھی مردہ ہو چکے ہیں۔ (رجال الکشی: ۵۲)

کلینی نے فروع میں امام باقر کا یہ قول نقل کیا ہے: ''امیر المؤمنین کے ساتھ بالآخر دو ضعیف اور ذلیل شخص باقی رہ گئے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور وہ ہی عباسؓ اور عقیلؓ۔''

الکشی نے جن تین علامتوں کی بنا پر یہ کہا ہے کہ آیت کریمہ عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر ہیں اور قیامت کے دن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کردیئے جائیں

گے۔ اگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے تو آیت کریمہ **فھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا** کا کیا مفہوم ہے؟ امیر المؤمنین نے عباسؓ کے بیٹوں پر جو لعنت کی ہے اور ان کے لئے آنکھوں کی محرومی اور دل کی بے بصیرتی کی بددعا کی ہے تو اس کا بھی لازمی مطلب یہ ہے کہ ان کی تکفیر کی جارہی ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن عباسؓ کو اہل بیت کے ہاں ''ترجمان القرآن'' اور ''حبر الامت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اہل بیت جب ان کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو ملعون ٹھہرائیں اور عقیلؓ تو امیر المؤمنین علیؓ کے بھائی ہیں کیا وہ بھی ذلیل تھے اور نو مسلم تھے؟

زین العابدین علی بن حسین کے بارے میں کلینی کہتا ہے: ''یزید بن معاویہ نے ان سے کہا کہ آپ میری غلامی میں آجائیں۔ چنانچہ زین العابدین نے یہ کہتے ہوئے یزید کی غلامی قبول کرلی کہ آپ نے مجھ سے میرے بارے میں جو کہا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ اب میں آپ کا تابع دار فرمان غلام ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھے اپنے پاس رکھیں اور چاہیں تو کسی کے ہاتھوں فروخت کردیں۔'' (الروضۃ الکافی: ۸/۲۳۵)

آپ ذرا زین العابدین کی اس بات کا بغور جائزہ لیں کہ میں آپ کے غلام ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ اب میں آپ کا مطیع غلام ہوں اگر آپ چاہیں تو مجھے غلامی کی حالت میں اپنے پاس رکھیئے اور اگر آپ چاہیں تو مجھے کسی کے ہاتھ فروخت کردیجئے آپ کو مکمل اختیار ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک امام یزید کی غلامی پر رضامندی کا اظہار کرے اور یہ کہے کہ جب تک آپ چاہیں مجھے اپنے پاس رکھیں اور جب آپ چاہیں مجھے فروخت کردیں۔

شیعہ حضرات نے اہل بیت کے بارہ میں جو بدکلامی کی ہے اگر ہم اس کا احاطہ کرنا چاہیں تو یہ ہم پر بہت گراں ہے کیونکہ اہل بیت میں سے کوئی شخص بھی شیعہ کے بدزبان کلمات اور

بداخلاق عبارات سے مامون نہیں رہا ہے اور حضرات شیعہ نے ان کی طرف بے شمار قبیح افعال کو بھی منسوب کردیا ہے۔ ان کی معتبر ترین کتابوں میں یہ تمام ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، ہم اگلی فصل میں اس کا ذکر کریں گے۔ شیعہ پر غضب خدا کا کہ انہوں نے یہ تک کہہ ڈالا: جب تک رسول اللہ ﷺ فاطمہ کے چہرے کو بوسہ نہ دیتے تھے، نہیں سوتے تھے۔ (بحار الانوار: ۴۳/۴۴)۔ "رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ فاطمہ کے دونوں پستانوں کے درمیان میں رکھا کرتے تھے۔ (بحار الانوار: ۴۳/۴۴)۔ یہ انتہائی نامعقول بات ہے کیونکہ فاطمہ علیہا السلام ایک بالغہ عورت تھیں لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ مبارک فاطمہ علیہا السلام کے پستانوں کے درمیان رکھا کرتے ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ اور فاطمہ علیہا السلام کے بارے میں شیعہ یہاں تک بکواس کرسکتے ہیں تو ان کے ماسوا اہل بیت کے بارے میں یہ کیا زہر افشانی کرتے ہوں گے؟ حتی کہ شیعہ حضرات کو اس بابت بھی شک ہے کہ امام محمد قانع امام رضا کا بیٹا تھا یا............

علی بن جعفر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام رضا سے پوچھا گیا: ہم میں محمد قانع سا سیاہ رنگ کا امام آج تک نہیں ہوا۔ رضا نے فرمایا: بہرحال محمد قانع میرا ہی بیٹا ہے (سیاہ ہوا تو کیا ہوا)۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے بھی سبب معلوم کرنے کے لئے قیافہ شناسی سے کام لیا تھا۔ لہٰذا کیا ہی اچھا ہو کہ محمد قانع کے بارے میں ہم بھی قیافہ کریں۔ امام رضا نے فرمایا کہ قیافہ شناس کے پاس تم ہی جاؤ گے میں نہیں جاؤں گا اور باقی افراد کو بھی تم ہی دعوت دو گے اور انہیں اس بات کی خبر نہیں ہونی چاہئے کہ انہیں کیوں بلایا گیا ہے۔ لہٰذا جب تمام افراد آگئے تو ہم نے انہیں ایک باغ میں بٹھا دیا۔ محمد قانع کے بھائیوں، بہنوں اور بچوں کو بھی ایک قطار میں بٹھا دیا گیا۔ امام رضا کو اون کا ایک جبہ پہنایا گیا، ایک ٹوپی اوڑھا دی گئی اور ان کے کاندھے پر کلہاڑا

رکھ کر انہیں باغ میں کام کو نے کا کہہ دیا گیا۔ اس کے بعد لوگ ابو جعفر قیافہ شناس کو لے کر آئے اور کہا کہ اس لڑکے محمد قانع کو اس کے باپ کے ساتھ ملا دو۔ اس نے کہا کہ یہاں باغ میں کام کرنے والا شخص اس کا باپ ہے کیونکہ دونوں کے قدم ایک سے ہیں۔ جب ابو جعفر چلا گیا تو لوگ کہنے لگے کہ ہاں امام رضا ہی اس کے باپ ہیں۔ (اصول الکافی: ۱/۳۲۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ حضرات کو اس بارے میں شک تھا کہ آیا محمد قانع امام رضا کے بیٹے بھی ہیں یا نہیں۔ حالانکہ امام موصوف نے بہ تاکید ان سے کہہ دیا تھا کہ محمد قانع انہی کا بیٹا ہے لیکن وہ اپنے مؤقف پر مصر تھے کہ چونکہ محمد قانع کا رنگ سیاہ ہے لہٰذا یہ رضا کا بیٹا نہیں ہوسکتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شیعہ نے امام رضا کی عصمت دری اور ان کی بیوی پر اتہام طرازی کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قیافہ شناس کو بلا بھیجا اور جب اس نے بھی تصدیق کردی کہ محمد قانع رضا ہی کا بیٹا ہے تو انہیں اطمینان ہوا اور وہ خاموش ہو گئے۔ اس قسم کی تہمت ایک عام آدمی تو کسی دوسرے شخص پر لگا سکتا ہے لیکن شیعہ حضرات کی اہل بیت پر تہمت تراشی ایک انتہائی قبیح فعل ہے اور یہ بھی انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہماری وہ کتب مصادر، جن کے بارہ میں ہمارا خیال ہے کہ اہل بیت کے علم سے منتقل ہوئی ہیں، اس قسم کے اتہامات سے بھری پڑی ہیں۔ جب میں حوزہ میں پڑھتا تھا تو دوران سبق یہ روایت بے شمار دفعہ ہماری نگاہوں سے گزری اور میں نے جب کبھی کسی استاد سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے امام خوئی کی تاویل سے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ سید آل کاشف کے مطابق شیعہ نے امام رضا پر شک اس وجہ سے کیا تھا تا کہ ان کی نسل امام نقی پر ہی جاری رہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ شیعہ نے امام رضا پر یہ تہمت بھی لگائی ہے کہ وہ مامون الرشید کی چچازادی کے عشق میں مبتلا تھے۔

(عیون اخبار الرضا: ۱۵۳)

شیعہ حضرات نے جعفر کو ''جعفر کذاب'' کا لقب دے رکھا ہے حالانکہ وہ حسن عسکری کے بھائی ہیں۔ کلینی کہتا ہے: ''وہ اعلانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرتا اور سرعام شراب پیتا تھا اور اپنی خواہشاتِ نفس میں انتہائی غیر محتاط تھا۔'' (اصول الکافی: ۱/۵۰۴)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اہل بیت میں سے بھی شرابی، فاسق اور فاجر پیدا ہونے لگے ہیں؟

جو شخص اس بارے میں تفاصیل جاننا چاہتا ہو اسے شیعہ کی معتبر کتب مصادر کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ باقی اہل بیت کے بارے شیعہ حضرات کیا کہتے ہیں اور وہ یہ بھی جان جائے گا ان کی مقدس اولاد کو کہاں، کیسے اور کس نے قتل کیا تھا؟ حق بات تو یہ ہے کہ اہل بیت کی اکثریت ایران کے شہروں میں، یہاں کے باسیوں کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ اگر مجھے طوالت عبارت کا خوف نہ ہوتا تو میں قاتلوں کے نام لے لے کر کہتا کہ اس اس نے اہل بیت میں سے فلاں فلاں کو قتل کیا ہے۔ لیکن میں اپنے قاری کو مشورہ دوں گا کہ اسے اصفہانی کی کتاب ''مقاتل الطالبین'' کا مطالعہ کرنا چاہئے جو اس موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔ میں یہ بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شیعہ نے تقیہ، متعہ اور لواطت وغیرہ کو امام باقر اور امام جعفر سے منسوب کر کے انہیں مطعون کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ امامین اس سے بری الذمہ ہیں۔

متعہ اور اس کے متعلقات

میرا ارادہ تھا کہ میں اس فصل کا عنوان رکھتا ''عورت شیعہ کے نزدیک''۔ لیکن میں نے اپنے اس ارادے کو ترک کر دیا کیونکہ کتابوں میں جو بے شمار روایات مروی ہیں، وہ رسول اللہ

ﷺ، حضرت علیؓ، ابوعبداللہ اور دیگر آئمہ کرام کی طرف منسوب ہیں۔

چنانچہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان روایات کو پڑھ کر آئمہ کرام کو مطعون کیا جائے کیونکہ ان میں بے شمار ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جنہیں کوئی عام سا شخص جب اپنے لئے پسند نہیں کرتا تو آئمہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کی جانب ان باتوں کی نسبت کو کیوں گوارہ کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ متعہ کو دھوکہ دہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس میں عورت کی انتہا درجہ توہین روا رکھی گئی ہے اور بے شمار لوگ متعہ کے پس پردہ اپنی جنسی خواہشات کو دین کے نام پر پورا کرتے ہیں اور اللہ کے اس فرمان کا سہارا لیتے ہیں:

''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً'' [النساء: ۲۴]

علاوہ ازیں شیعہ مذہب میں بے شمار روایات متعہ کی ترغیب پر مبنی ہیں جن میں ثواب کا ذکر کیا گیا ہے اور متعہ کو ترک کرنے پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے حتی کہ جو شخص متعہ نہیں کرتا، اس کو غیر مسلم تک قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے مومن عورت سے متعہ کیا گویا اس نے ۷۰ دفعہ خانہ کعبہ کی زیارت کی۔'' کیا متعہ کرنے والا واقعتاً ۷۰ دفعہ خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہونے والے کی مانند ہے؟ اور کیا یہ متعہ بھی مومنہ عورت سے کیا جائے گا؟ **یا للعجب**

۲۔ صدوق، امام صادق سے روایت کرتے ہیں: ''متعہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ جس نے متعہ کیا اس نے ہمارے دین پر عمل کیا اور جس نے متعہ کا انکار کیا اس نے ہمارے دین کا انکار کیا اور کسی دوسرے دین پر اعتقاد رکھا۔'' (من لا یحضرہ الفقیہ۔ ۲/۶۶) اس روایت میں اس شخص کو کافر کہا گیا ہے جو متعہ پر ایمان نہیں رکھتا۔

۳۔ ابوعبداللہ سے پوچھا گیا کہ کیا متعہ کرنے والے کو ثواب ملتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر وہ متعہ سے اللہ کی رضا کا طالب ہے تو اس بارے میں جو بھی کلام کرے گا اللہ اس کے بدلے میں نیکی عطا کرے گا۔ اور جب وہ عورت کے قریب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور جب متعہ سے فراغت کے بعد غسل کرے گا تو جتنے بالوں پر پانی بہے گا اللہ تعالیٰ انہی کی بقدر مغفرت فرمائے گا۔ (من لایحضر الفقیہ: ۲/۶۶)

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ جبار (اللہ کی) کی ناراضگی سے محفوظ رہے گا اور جو دو دفعہ متعہ کرے گا وہ نیکیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور جو تین دفعہ متعہ کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' (ایضاً)

درج بالا روایات کے پیش نظر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے شیعہ علماء اور آئمہ کثرت سے متعہ کرتے ہیں، جن میں سے نجف کے مرکز ''حوزہ'' کے سید صدر، البروجردی، شیرازی، قزوینی، طباطبائی، سید مدنی، ابوالحارث الیاسری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات متعدد بار رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور ثواب کی غرض سے متعہ کرتے ہیں۔ سید فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر 'منہج الصادقین' میں رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ مرتبے میں حسین کی مانند ہے اور دو دفعہ متعہ کرنے والے کو حسن کا مقام دیا جائے گا۔ جو تین دفعہ متعہ کرتا ہے وہ علی کے درجے کو پالیتا ہے اور جو شخص چار دفعہ متعہ کرتا ہے وہ مقام میں میرے برابر ہوگا۔''

فرض کریں کہ پلید شخص نے ایک دفعہ متعہ کیا تو وہ حسین کے درجے کو پہنچ جائے گا اور یہی غلیظ آدمی دو، تین یا چار دفعہ متعہ کر کے حسین، علی رضی اللہ عنہما اور رسول ﷺ کے مقام کو پہنچ

جائے گا۔ کیا آئمہ کرام اور رسول مکرم ﷺ کے عظیم مقام کی اس حد تک اہانت کی جارہی ہے؟ اور حتی کہ متعہ کرنے والا شخص ایمان میں بلند مقام پر ہے تو کیا وہ بھی حسین یا ان کے بھائی حسن یا ان کے باپ علی رضی اللہ عنہم یا ان کے نانا محمد ﷺ کے مقام کو حاصل کرسکتا ہے؟؟

بلاشبہ حسینؓ، حسنؓ، علیؓ اور محمد ﷺ کا مقام اتنا بلند ہے کہ قوی ترین ایمان والا شخص بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ شیعہ نے ایک غضب یہ بھی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندانِ مقدس سے تعلق رکھنے والی ہاشمی عورت سے بھی متعہ جائز قرار دے دیا۔ اس کی تفصیلات امام طوسی کی کتاب 'تہذیب' کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۹۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ حالانکہ ہاشمی عورتیں اس بات سے نہایت بلند ہیں کہ ان کے بارے میں متعہ کا سوچا بھی جاسکے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور اہل بیت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے لئے متعہ کا خیال تک روا نہیں رکھا جاسکتا۔ عنقریب ہم اس کے اسباب بیان کریں گے۔ کلینی نے بیان کیا ہے کہ متعہ کرنا چاہئے خواہ یہ مرد اور عورت کے ایک دفعہ ہم بستری کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

متعہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ عورت بالغ اور عقلمند ہو بلکہ شیعہ کا کہنا ہے کہ اس لڑکی سے بھی متعہ جائز ہے جس کی عمر دس سال ہو۔ اس بات کو کلینی نے 'الفروع' میں اور طوسی نے 'تہذیب' میں بیان کیا ہے کہ ابوعبداللہ سے پوچھا گیا کیا ایک کمسن لڑکی سے آدمی متعہ کرسکتا ہے انہوں نے فرمایا: ہاں، ماسوائے اس لڑکی کے جو دھوکہ نہ کھاسکتی ہو۔ سوال کیا گیا کہ وہ کون سی عمر ہے جس میں لڑکی دھوکہ نہیں کھاسکتی؟ کہا: دس سال کی عمر ہے۔

مذکورہ نصوص پر نقد عنقریب پیش کیا جائے گا لیکن میرے خیال میں ابوعبداللہ کی طرف جو یہ قول منسوب ہے کہ دس سال کی عمر میں لڑکی سے متعہ کرنا جائز ہے، بعض شیعہ علماء نے دس

سے بھی کم عمر میں لڑکی سے متعہ کو جائز کہا ہے۔ جب امام خمینی عراق میں مقیم تھے اور ہم ان کے پاس تحصیل علم کی غرض سے حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ہمارا تعلق بہت گہرا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے کہا کہ انہیں فلاں شہر سے دعوت طعام پیش کی گئی ہے۔ یہ شہر موصل کے مغربی جانب ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر واقع تھا۔ امام نے سفر میں مجھے بھی اپنے ساتھ کر لیا۔ میزبان نے ہمارا بھرپور استقبال کیا اور ہماری خوب آؤ بھگت کی۔ اس شہر میں شیعہ کے ایک خاندان کے پاس ہمارا قیام تھا۔ جب ہمارے قیام کی مدت ختم ہو گئی تو ہم واپس ہوئے۔ ہمارے واپسی کے راستے پر بغداد تھا، امام خمینی نے ارادہ فرمایا کہ ہم سفر کی تھکان سے کچھ آرام کریں۔ چنانچہ وہ شہر کے ایک گھر کی طرف متوجہ ہوئے جس میں ایرانی النسل ایک شخص رہتا تھا۔ اس کو سید صاحب کہتے تھے۔ امام صاحب کا اس سے یارانہ تھا۔ سید صاحب کو ہماری آمد کی بہت خوشی ہوئی۔ ہم اس کے پاس قریباً ظہر کے وقت پہنچے۔ اس نے ہمارے لئے پرتکلف ظہرانہ تیار کیا اور اپنے بعض رشتہ داروں کو بھی بلا بھیجا۔ ہماری ملاقات کی وجہ سے مکان میں کافی ہجوم ہو گیا۔ سید صاحب نے کہا کہ آپ آج رات میرے پاس قیام کریں گے۔ چنانچہ رات کو عشاء کے وقت ہمیں عشائیہ پیش کیا گیا۔ وہاں پر موجود لوگ امام صاحب کے ہاتھ پر بوسہ دے رہے تھے اور اپنے مسائل بھی پوچھ رہے تھے۔ امام صاحب ان کے جواب ارشاد فرما رہے تھے۔ جب سونے کا وقت قریب ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو امام صاحب کی نگاہ ایک خوبرو بچی پر پڑی، جس کی عمر چار یا پانچ سال تک ہوگی، یہ ہمارے میزبان کی بیٹی تھی۔ امام صاحب نے متعہ کرنے کے لئے اس لڑکی کو اس کے باپ کی اجازت سے طلب کیا۔ باپ نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ امام خمینی نے اس لڑکی کے ساتھ شب باشی کی۔ ہمیں رات کو بچی کی چیخ و پکار سنائی دیتی

رہی۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ رات گزر گئی جب صبح ہوئی اور ہم ناشتہ تناول کرنے بیٹھے تو امام نے میرے چہرے سے انکار کے تأثرات ملاحظہ کر لئے کہ جب گھر میں نوجوان عاقل و بالغ عورتیں موجود تھیں جن سے متعہ کیا جا سکتا تھا، تو امام صاحب نے ان کو چھوڑ کر انتہائی کمسن بچی سے متعہ کیوں کیا؟ سید صاحب نے مجھ سے استفسار کیا کہ بچی سے متعہ کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کا قول ہی حرف آخر ہے اور آپ کا عمل ہی مبنی بر صواب ہے کیونکہ آپ امام مجتہد ہیں۔ مجھ جیسے شخص کی رائے اور قول بھی آپ کی رائے اور قول کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میرے لئے اعتراض کرنا ممکن نہیں ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بچی کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے، لیکن اس کو بوس و لپیٹ تک ہی محدود رہنا چاہئے، لیکن بچی سے جماع کرنے کا قول کوئی زیادہ قوی نہیں ہے۔ امام صاحب بچی سے متعہ کرنے کو جائز کہتے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ بچی سے بوس و کنار اور مباشرت جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ آدمی اپنے عضو تناسل کو اس کے گھٹنوں میں رکھے۔ (تحریر الوسیلہ: ۲/۳۴۱)

ہم ایک دفعہ امام خوئی کے ساتھ ان کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک دو جوان وہاں آئے ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اور وہ امام خوئی سے جواب دریافت کرنے آئے تھے۔ ایک نے پوچھا! امام صاحب کیا متعہ حلال ہے یا حرام؟ امام نے جوان کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں موصل سے تعلق رکھتا ہوں اور اب یہاں نجف میں دو ماہ سے قیام پذیر ہوں۔ امام نے کہا آپ تو پھر سُنّی ہوں گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ امام نے کہا: ہمارے اہل تشیع کے ہاں متعہ حلال ہے اور تمہارے اہل سنت کے ہاں حرام ہے۔ نوجوان نے کہا کہ میں یہاں دو ماہ سے اس شہر میں مسافر ہوں آپ اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے

کردیں تاکہ میں اس سے متعہ کرسکوں، جب تک کہ اپنے گھر کو واپس نہیں چلا جاتا۔ امام اس کی بات سن کر حیران رہ گیا اور لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد گویا ہوا کہ میں سید ہوں اور متعہ خاندان سادات میں حرام ہے۔ اور شیعہ عوام کے لئے جائز ہے۔ وہ نوجوان امام خوئی کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میرا خیال یہ تھا کہ وہ یہ بات جان گیا تھا کہ امام صاحب تقیہ سے کام لے رہے ہیں۔ دونوں نوجوان کھڑے ہوئے، میں نے بھی امام سے اجازت چاہی اور نوجوانوں کو پیچھے سے جالیا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سائل سنی ہے اور اس کا دوست شیعہ۔ دونوں کا متعہ کے حلال یا حرام ہونے پر اختلاف ہوگیا تھا۔ اور دونوں نے متفقہ طور پر دینی پیشوا امام خوئی کی طرف رجوع کیا۔ جب دونوں پر یہ مسئلہ کھل گیا تو شیعہ نوجوان پھٹ پڑا کہ اے مجرمو! تم اپنے لئے ہماری بیٹیوں سے متعہ جائز قرار دیتے ہو اور اس کو حلال قرار دے کر اللہ کا قرب تلاش کرتے ہو، جبکہ ہمارے لئے اپنی بیٹیوں سے متعہ حرام قرار دیتے ہو۔ نوجوان گالم گلوچ کر رہا تھا اور قسم کھا رہا تھا کہ وہ اہل سنت کا مذہب اختیار کرے گا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی رہنمائی کی کہ اللہ کی قسم متعہ حرام ہے۔ اس پر میں نے دلائل بھی دیئے کہ متعہ دور جاہلی میں جائز ہوتا تھا۔ اور جب اسلام آیا تو اس نے متعہ تو ایک عرصہ تک اپنی جواز کی صورت پر برقرار رکھا۔ بعد میں خیبر کے دن اس کو حرام کردیا گیا۔ لیکن جمہور شیعہ علماء کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ اس کو عمر بن خطاب نے حرام قرار دیا تھا۔ ہمارے بعض فقہا اسی قول کو روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ اس کو خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا تھا۔ امیر المومنین نے فرمایا تھا: ''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت کو اور نکاح متعہ کو حرام قرار دیا تھا''۔ (التہذیب: ۲/۱۸۶)

ابوعبداللہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگ گواہوں کے بغیر

ہی نکاح کیا کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں۔ (التہذیب: ۲/۱۸۹)

ان دونوں نصوص سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ متعہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا باطل ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس کی حرمت کو خود رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ متعہ خیبر کے دن حرام ہوا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ ان کے بعد آنے والے آئمہ نے بھی متعہ کا حکم ان کے علم کے بعد ہی جانا ہے۔ ہمارا فیصلہ بس اسی ایک قول پر جاکر ٹھہر جاتا ہے کہ ایک طرف وہ احادیث ہیں جو متعہ کی حرمت میں نہایت واضح ہیں اور دوسری طرف وہ اقوال ہیں جو متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حرمت متعہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے جبکہ جواز کی بات ائمہ کرتے ہیں۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے؟

ایک عام مسلمان کو یہی مشکل پیش آتی ہے کہ کیا وہ متعہ کرسکتا ہے یا کہ نہیں؟ صحیح بات یہی ہے کہ متعہ کو ترک کردیا جائے کیونکہ یہ حرام ہے۔ امیر المومنین سے متعہ کی حرمت ہی منقول ہے۔ اور جن اقوال کو آئمہ کرام کی طرف منسوب کرکے متعہ کا جواز نکالا گیا ہے وہ غیر صحیح ہیں۔ یہ سب من گھڑت اخبار ہیں کیونکہ آئمہ کرام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ جس شے کو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہو وہ اس کی مخالفت کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کی حرمت امیر المومنین نے بیان کی ہے اور ان کے بعد آئمہ کرام کا بھی یہی مؤقف تھا کیونکہ انہوں نے اپنے پہلوں سے علم سیکھا تھا اور وہ انہی کی اولاد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابوعبداللہ سے عہد نبویؐ میں متعہ کے جواز کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ اگر انہیں متعہ کی حرمت کا علم نہ ہوتا تو وہ نفی میں جواب کیوں دیتے؟ ابوعبداللہ اور ان سے قبل اور بعد کے تمام آئمہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ اس کو حلال قرار دیں۔ یا کسی ایسی

شے میں بدعت کا ارتکاب کریں جو آپ کے دور میں معروف تھی۔ اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متعہ پر برانگیختہ کرنے والے اقوال میں سے آئمہ کرام نے ایک حرف تک ارشاد نہیں فرمایا، بلکہ یہ زندیق قسم کے لوگوں کی افتراء پردازی ہے جو اہل بیت کو مطعون کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ ورنہ ہاشمی عورت سے متعہ کو جائز کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اور متعہ نہ کرنے والے کو کافر کہنے کا کیا سبب ہے؟ اس پر مستزاد یہ کہ آئمہ کرام کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی نے ایک دفعہ بھی متعہ کیا ہو یا متعہ کو حلال کہا ہو۔ کیا وہ لوگ دین اسلام سے بے خبر تھے؟ کلینی نے ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطابؓ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا، میں نے زنا کیا ہے۔ عمرؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا: تو نے کیسے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا: میں کسی دیہی علاقے سے گزر رہی تھی کہ مجھے شدید پیاس محسوس ہوئی، میں نے ایک چرواہے سے پانی مانگا۔ اس نے پانی کے عوض اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ جب پیاس اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور مجھے اپنی جان کا خوف لاحق ہوا تو میں نے اپنا نفس چرواہے کے حوالے کر دیا۔ امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم یہ نکاح ہے زنا نہیں۔ (الفروع: ۱۹۸/۲)

متعہ کا طریقہ معروف ہے جو فریقین کی رضا و رغبت سے عمل میں آتا ہے۔ لیکن مذکورہ روایت میں عورت مجبور تھی، یہ زنا نہیں تھی کہ عمرؓ سے اپنی پاکی کا مطالبہ کرتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ امیر المومنین علیؑ سے خود متعہ کی حرمت کا بیان ثابت ہے، جس کو وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتے ہیں۔ لہٰذا وہ کیونکر فتویٰ دے سکتے ہیں کہ یہ نکاح متعہ ہے؟ یا کیا آپ کے فتویٰ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ مرد اور عورت کے اس فعل کو جائز فرما رہے ہیں؟ بلکہ اس فتویٰ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے اس فتویٰ کو امیر المومنینؓ کی طرف منسوب کیا ہے یا تو

اس کا ارادہ طعن و تشنیع کا ہے یا وہ ہوائے نفس کا بندہ ہے جس نے جواز کی غرض سے یہ قصہ گھڑ کر امیر المومنینؓ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ متعہ کو شریعت سے ثابت کر کے وہ اپنے یا اپنے جیسے دیگر افراد کے لئے دین کے نام پر شرمگاہوں کو حلال کر سکے، خواہ اس کے لئے آئمہ کرام حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہی باندھنا پڑے۔

متعہ کے مفاسد

متعہ سے پیدا ہونے والے مفاسد بہت زیادہ بھی ہیں اور بہت خطرناک بھی، جن میں سے چند ایک کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اس سے نصوص شریعہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے کیونکہ اس سے اللہ کی حرام کردہ شے کو حلال کیا جاتا ہے۔

۲۔ ان روایات سے آئمہ کرام کے بارے میں شدید مطاعن پیدا ہوتے ہیں حالانکہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ اس کو آئمہ کی نسبت سے گوارہ نہیں کر سکتا۔

۳۔ اس سے ایک شادی شدہ عورت کی عصمت دری ہوتی ہے اور خاوند کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ ایک شرعی خاوند کے علم اور اس کی رضا کے بغیر شادی شدہ عورت کا نکاح ایک بہت بڑا افساد ہے۔ کیونکہ جب خاوند کو علم ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کسی غیر سے متعہ کرتی ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

۴۔ کنواری لڑکی پر اس کے والدین کا اعتماد اٹھ جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے والدین کے علم کے بغیر ہی متعہ کر لیتی ہے۔ باپ کے لئے یہ خبر کسی حادثے سے کم نہیں ہوتی کہ اس کی لڑکی کنواری ہو کر حاملہ ہو گئی ہے اور یہ تک پتہ نہیں کہ اس نے کس سے نکاح کیا تھا اور کیا وہ موجود بھی ہے یا

کہیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔

۵۔ جو حضرات متعہ کرتے ہیں وہ گویا دوسروں کی بیٹیوں کو اپنے لئے حلال قرار دیتے ہیں لیکن جب کوئی شخص ان میں سے کسی کی بیٹی سے نکاح متعہ کے لئے تیار ہوتا ہے تو یہ قطعاً راضی نہیں ہوتے کیونکہ ان کے خیال میں متعہ دراصل زنا سے مشابہ ہے اور ان پر ایک قسم کا عار ہے۔ لہٰذا وہ اپنی بیٹی سے متعہ کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی بیٹی سے متعہ کرنا ان کے لئے تو جائز ہے لیکن کسی دوسرے کا ان کی بیٹی سے متعہ کرنا بہر حال حرام ہے۔ جب متعہ ایک شرعی امر ہے اور اس کا حکم مباح کا ہے تو پھر اپنی بیٹی یا قریبی عورت کو متعہ کے لئے پیش کرنے میں کیوں حرج سمجھا جاتا ہے۔

۶۔ نکاح متعہ میں نہ کوئی گواہی ہوتی ہے نہ ہی اعلان ہوتا ہے۔ نہ ولی کی رضامندی ہوتی ہے اور نہ ہی زوجین میں وراثت تقسیم ہوتی ہے۔ بلکہ نکاحِ متعہ میں ایک قسم کی اجرت ہے، عوام میں جس کے اعلان اور اشاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قول ابو عبداللہ سے منقول ہے۔

اس سے متعہ کے دینی، اجتماعی، اور اخلاقی نقصانات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے متعہ کو حرام کیا گیا ہے۔ اگر اس میں بندوں کے لئے مصلحت ہوتی تو اس کو کبھی حرام نہ کیا جاتا، لیکن چونکہ اس میں بہت سے مفاسد پائے جاتے ہیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ امیر المؤمنین علی نے بھی اس کی حرمت ہی کا بیان دیا ہے۔

ایک دفعہ میں نے امام خوئی سے سوال کیا کہ امیر المؤمنین علی نے جو یہ فرمایا ہے کہ متعہ خیبر کے دن حرام کیا گیا اور ابو عبداللہ نے جو سائل کا جواب نفی میں دیا ہے کہ گواہی کے بغیر عہد رسالت میں نکاح نہیں ہوتا تھا، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ

جہاں تک متعہ کے خیبر میں حرام ہونے کا تعلق ہے تو یہ حرمت فقط خیبر کے دن سے خاص ہے۔ اس کے بعد یہ پہلے ہی کی طرح جائز ہے۔ اور ابو عبداللہ نے سائل کا جواب نفی میں قیاس سے دیا ہے اور فتویٰ میں تقیہ، فقہا کے نزدیک معروف ہے۔ لیکن حق بات تو یہ ہے کہ ہمارے فقہا کی توجیہ درست نہیں ہے کیوں کہ متعہ کی تحریم اور گدھے کی تحریم ایک ہی دن وارد ہوئی ہے۔ جب گدھے کا گوشت خیبر کے دن سے آج تک حرام چلا آ رہا ہے اور قیامت تک کے لئے حرام ہی رہے گا تو متعہ کا صرف خیبر کے دن ہی حرام ہونا فقط ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ دعویٰ اس وقت بالکل ہی باطل ہو جاتا ہے جب اس کے ساتھ ایک قرینہ یہ بھی مل جاتا ہے کہ گھریلو گدھوں کا گوشت بھی خیبر ہی کے دن حرام کیا گیا تھا۔ اگر اس کی حرمت صرف خیبر کے دن تک ہی محدود ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ اس کی حرمت کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں متعہ کے جائز ہونے کی علت کا بھی علم ہونا چاہئے تھا کہ یہ سفر اور جنگ میں جائز ہوتا تھا کیونکہ اس وقت انسان اپنی بیوی اور لونڈی سے دور ہوتا ہے، لہٰذا ان حالات میں متعہ کی زیادہ ضرورت پیش آتی تھی۔ لیکن خیبر کے دن جب حالت جنگ میں بلکہ میدان جنگ میں متعہ حرام کیا گیا ہے تو حالت امن میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ دراصل امیر المؤمنین علیؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ متعہ کی حرمت کی ابتدا خیبر کے دن سے ہوئی ہے۔ جہاں تک ہمارے فقہاء کی حیلہ سازی اور تقیہ بازی کا مسئلہ ہے، یہ حضرات قرآن وسنت کی اکثر و بیشتر نصوص کو بازیچۂ اطفال ہی سمجھتے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اور گدھے کی حرمت دونوں یکساں حکم رکھتے ہیں، یعنی دونوں کی حرمت کا حکم خیبر کے دن نازل ہوا تھا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ لہٰذا نفس پرستی،

شہوت رانی اور لذت اندوزی کی غرض سے دین کے نام پر حسین وجمیل عورتوں سے متعہ کے لئے امیر المؤمنین کے قول کی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے، اور جہاں تک ابوعبداللہ کے جواب کو تقیہ کہنے کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ سائل خود شیعہ تھا، اس سے تقیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ ابوعبداللہ کا فتوی امیر المؤمنین علیؑ کے قول سے سو فیصد مطابقت نہیں رکھتا ہے۔

دراصل متعہ کو جائز قرار دے کے ہمارے فقہاء نے ایک مرد کو یہ حق عنایت کر دیا ہے کہ وہ لاتعداد عورتوں سے تعلقات قائم رکھ سکتا ہے خواہ یہ عورتیں تعداد میں ہزار ہی تک کیوں نہ پہنچ جائیں۔ متعہ کرنے والے کتنے ہی حضرات ہیں جنہوں نے ایک ہی دفعہ ماں اور اس کی بیٹی سے، عورت اور اس کی بہن سے، بھانجی اور اس کی خالہ سے یا بھتیجی اور اس کی چچی سے منہ کالا کیا ہے۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثے کا ذکر کر رہی تھی کہ خاندان سادات کے سید حسین صدر آج سے بیس سال قبل مجھ سے متعہ کیا کرتے تھے اور جب میں حاملہ ہوگئی تو سید صاحب نے اپنی ہوس پوری کر کے مجھے چھوڑ دیا۔ میرے ہاں اس حمل سے بچی پیدا ہوئی۔ عورت نے قسم کھا کر کہا کہ میری وہ بیٹی بھی سید صاحب کے نطفہ سے حاملہ ہوگئی۔ لیکن مجھے اس کا علم نہ تھا۔ بعدازاں جب میری بیٹی جوان ہوگئی اور شادی کے قریب پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہ تو حاملہ ہے۔ میں نے اس سے حمل کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ سید صاحب نے اس سے متعہ کیا تھا لہٰذا وہ حاملہ ہوگئی۔ یہ سن کر ماں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کی وہ سید تو تیرا باپ ہے اور تمام قصہ کہہ سنایا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک درندہ صفت سید ایک عورت سے منہ کالا کرتا رہا اور بعد میں اپنے ہی نطفے سے پیدا ہونے

والی بیٹی سے بھی شب باشی سے گریز نہ کیا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی عورت کے ساتھ متعہ کرتا ہے اور اس کو بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت تو اس کی بہن تھی۔ اور ایک شخص بے شمار دفعہ اپنے باپ کی بیوی (ماں) سے متعہ کر بیٹھا۔ ایران میں اس نوع کے لاتعداد واقعات پیش آتے ہیں جن کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس قسم کے حوادث کا ہم ذیل کے دلائل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیهم الله من فضله ﴾ (النور: ۳۳)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کو پاکدامن رہنا چاہئے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

لہٰذا جس شخص کو تنگدستی کی وجہ سے شرعی نکاح کا موقع نہ ملے اس پر لازم ہے کہ وہ پاکدامنی اختیار کرے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا فضل خاص عطا فرمائے اور شادی کی کوئی صورت نکل آئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متعہ جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ غیر شادی شدہ شخص کو پاکدامنی اور انتظار کا حکم کیوں ارشاد فرماتا حتی کہ آسانی کا کوئی راستہ نکل آئے؟ بلکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو متعہ کی ہدایت جاری فرماتا کہ شہوت کی آگ میں جلنے کی بجائے وہ متعہ کر کے اس کو بجھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنت المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ... ذلک لمن خشی العنت منکم و أن تصبروا خیرٌ لکم والله غفور رحیم ﴾ (النساء: ۲۵)

ترجمہ: اور تم میں سے جس کو کسی آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی پوری وسعت اور طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو، اپنا نکاح کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سن آپس میں ایک ہی ہو، اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو ادا کردو، وہ پاکدامن ہوں نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیاں آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے، اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔ کنیزوں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان کے لوگوں لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو لوگ عدم استطاعت کی وجہ سے آزاد عورت سے شادی نہیں کرسکتے وہ لونڈی سے نکاح کرلیں اور جو لوگ لونڈی بھی نہ پاتے ہوں ان کو صبر سے کام لینا چاہئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متعہ جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف اس شخص کی ضرور رہنمائی فرماتا اور لونڈی تک میسر نہ آنے کی صورت میں صبر کی تلقین نہ فرماتا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آئمہ کرام کے وہ اقوال بھی نقل کردیں جن سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ عبداللہ بن سنانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے متعہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”اپنے نفس کو اس سے آلودہ نہ کرنا۔“ (بحار الانوار: ۱۰۰) عبداللہ کے اس قول میں اس بات کی صداقت ہے کہ متعہ نفس کو آلودہ کردیتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

اگر متعہ حلال ہوتا تو ابوعبداللہ اس پر یہ حکم کیوں لگاتے؟ حتی کی انہوں نے صرف اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ اس کے حرام ہونے کی بھی صراحت کردی۔

۲۔ عمار کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے مجھے اور سلیمان بن خالد سے فرمایا: ”میں تم دونوں پر متعہ کو حرام کرتا ہوں۔“ (وسائل الشیعہ: ۴۱، ۴۰) ابوعبداللہ اپنے مصاحبین کو متعہ سے ڈراتے رہتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے: تم میں سے کوئی شخص اس بات سے حیا کیوں نہیں کرتا کہ جب وہ کوئی برا کام (متعہ) دیکھتا ہے تو اپنے نیک نام بھائیوں اور دوستوں کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے۔“ (الفروع: ۲/۴۴)

۳۔ علی بن یقطین نے ابوالحسن علی سے متعہ کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ”تجھے اس سے کیا غرض ہے، اللہ نے تجھ کو اس سے بے نیاز کردیا ہے۔“ (الفروع: ۲/۴۳) ہاں واقعی یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح شرعی نکاح کی بنا پر لوگوں کو متعہ سے مستغنی کردیا ہے کیونکہ نکاح ایک دائمی تعلق کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت میں سے کسی عورت کے بارے میں یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے متعہ کیا ہو۔ اگر متعہ کار ثواب اور فعلِ حلال ہوتا تو وہ اس کو ضرور سرانجام دیتیں۔ اس کی تائید عبداللہ بن عمیر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ابوجعفر سے کہا: کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی بیویاں، بیٹیاں یا بہنیں متعہ کریں۔ ابوجعفر نے جب بیٹیوں اور بہنوں کا نام سنا تو چہرہ دوسری جانب کرلیا۔ (التہذیب: ۲/۱۸۶)

ان تصریحات سے ایک عقلمند اور بالغ مسلمان کو جان لینا چاہئے کہ متعہ حرام ہے اور جو شخص متعہ کو جائز کہتا ہے یا اس پر عمل کرتا ہے وہ قرآن کریم، سنت رسول ﷺ اور اقوال آئمہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

جو شخص تلاش حق میں سرگرداں ہے وہ قرآن کریم، سنت رسول ﷺ اور اقوال آئمہ کے مطالعہ کے بعد ان تمام دلائل کو یکبارگی جھٹلا دے گا جو متعہ پر برانگیختہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دلائل قرآن حکیم، حدیث رسول ﷺ اور اہل بیت کے اقوال سے بالکل متعارض ہیں۔ علاوہ ازیں متعہ سے بے شمار مفاسد جنم لیتے ہیں جن میں سے چند کو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ دین اسلام کی آمد کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ فضائل کی ترغیب دلائی جائے اور رزائل سے اجتناب کروایا جائے۔ دین اسلام بندوں کے مصالح کا حد درجہ پاس رکھتا ہے تاکہ یہ زندگی میں جادہ مستقیم پر گامزن رہیں۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ متعہ ایک ایسا قبیح فعل ہے جس سے زندگی میں توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ آپ فرض کریں اگر کسی ایک شخص کے لئے متعہ سے کوئی مصلحت ثابت بھی ہو جائے تو اس سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آتا ہے۔ متعہ کا ایک انتشار یہ بھی ہے کہ اس سے عورت کی شرمگاہ کو عاریتاً پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لونڈی یا بیوی کو کسی دوسرے شخص کے سپرد اس طرح کر دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص سفر میں اس عورت کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو وہ لے جا سکتا ہے یا اگر وہ خود سفر پر روانہ ہو رہا ہے اور اپنی بیوی کو اپنے کسی ہمسائے یا دوست کے پاس چھوڑ کر جاتا ہے۔ تو مدت سفر کے دوران وہ خود مختار ہے کہ اس عورت کو حسب منشا اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ اس کا فساد واضح ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے اس کی بیوی اس کی عدم موجودگی میں کسی سے زنا کرتی رہے۔ شرمگاہ کو عاریتاً دینے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مہمان بنتا ہے اور میزبان اس کے اکرام میں اسے اپنی بیوی پیش کرتا ہے تو مہمان جب تک ان کے ہاں مقیم رہتا

ہے، عورت کی ہر شے اس کے لئے حلال ہوتی ہے۔ مقام افسوس ہے کہ یہ حضرات اپنے اس قبیح فعل میں ان روایات کا سہارا لیتے ہیں جن کو امام صادق، ابو عبداللہ اور امام جعفر کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً امام طوسی نے محمد سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ابو جعفر سے پوچھا کیا ایک شخص اپنی بیٹی کی شرمگاہ کو اپنے بھائی کے لئے حلال کر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ کام حلال ہے۔ (الاستبصار: ۱۳۶/۳)

کلینی محمد بن مضارب سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابو عبداللہ نے فرمایا: ''اس لڑکی کو پکڑو یہ آپ کی خدمت کرے گی اور آپ اس سے مباشرت کرنا۔ جب ہم اس کے پاس سے اٹھے تو انہوں نے لڑکی ہمارے حوالے کر دی۔'' میں کہتا ہوں کہ اگر تمام کائنات یک زبان ہو کر قسم کھائے کہ امام باقر اور امام صادق نے مذکورہ باتیں کہیں ہیں تو بھی میں اس کی کبھی تصدیق نہ کروں گا۔ امامین کا مقام و مرتبہ اس غلیظ کلام سے کہیں بلند ہے اور ان کے یہ شایان شان ہی نہیں ہے کہ اس قدر شنیع فعل کو جائز قرار دیں جو اسلامی اخلاق کے سراسر منافی ہے۔ بلکہ یہ کام انتہائی بے غیرتی پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آئمہ کرام نے اس علم کو نسل در نسل اپنے بڑوں سے اخذ کیا ہے۔ لہٰذا امامین کی طرف اس قول اور فعل کی نسبت کا مطلب ہے کہ اس کام کو رسول اللہ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، بلکہ اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی عین شریعت قرار دیا جائے گا۔

ایک دفعہ جب ہم نے ہندوستان کا دورہ کیا اور وہاں شیعہ علماء میں سے سید نقوی سے ملاقات ہوئی۔ ہندوستان میں ہم نے ایسی جماعتیں بھی دیکھیں جو گائے اور بیل کی پوجا کرتی تھیں۔ اس سے قبل ہم نے صرف کتابوں میں پڑھ رکھا تھا لیکن اس سفر کے دوران ہم نے اپنی آنکھوں سے ان ادیان باطلہ کا مشاہدہ کیا جو اس قسم کے غلیظ فعل کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن یہ کیسے

ممکن ہے کہ دین اسلام اس قدر گھٹیا فعل کو جائز قرار دے گا جس کی عام اخلاقیات بھی نفی کرتی ہیں؟ ہم نے ایران کے مرکز حوزہ کی بھی زیارت کی ہے وہاں ہمیں ان سید حضرات سے بھی سابقہ پڑا ہے جو شرمگاہ کو عاریتاً دینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ جن حضرات نے شرمگاہ کی عاریت کا فتویٰ دیا ہے ان میں سے سید لطف اللہ صادق قابل ذکر شخصیت ہیں۔ یہی وجہ ہے ایران میں ''اعارۃ الفرج (شرمگاہ ادھار دینا)'' عام موضوع سخن ہے جس کو مباح قرار دیا جاتا ہے۔ ایک عرصہ تک اس فتویٰ پر برابر عمل ہوتا رہا حتی کی شاہ محمد رضا پہلوی اور امام آیت اللہ خمینی کا دور آگیا۔ امام خمینی کی رحلت کے بعد بھی اس پر عمل جاری رہا۔ عہد حاضر میں سب سے پہلی شیعہ مملکت کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے (۱) کیونکہ تمام دنیا کے شیعہ اس جانب متوجہ ہوئے۔

(۱) (امام خمینی کی حکومت قائم ہونے سے میرا اور کئی حکومتی عہدہ داروں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ اب ایران خلافت اسلامیہ کا مرکز ہوگا۔ مگر افسوس کہ امام نے تو مخالفین کا صفایا کیا، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا، کئی خاندان برباد کر دیئے اور ظلم و جور سے خون بہایا۔ وہ آل پہلوی کے فساد کو ختم کرنا فرض قرار دیتے تھے مگر امام خمینی کے آنے کے بعد بھی یہ فعل جاری رہا۔ حمامات میں مرد و زن کا اختلاط باقی رہا۔ زنا پہلے اعلانیہ تھا، وہ خفیہ جاری رہا مگر پہلے سے کہیں زیادہ تیزی آگئی۔ بے پردگی اسی طرح رہی، عورتیں پتلون پہن کر باہر نکلتی رہیں۔ زینت کا مکمل اظہار کرتی رہیں۔ ہاں اتنا فرق پڑا کہ انہوں نے فقط سر ڈھانپ لیا۔)

اب شیعہ نے اس خطرہ کو بھانپنا شروع کیا ہے اور اس کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے قریبی دوست علامہ سید موسی الموسوی نے کتاب تالیف کی جا کا نام الشورۃ البائسہ رکھا، جس میں متعہ کی مخالفت کی اور اس کو غلط کہا۔ سید جواد الموسوی نے کہا: ایران میں اسلامی انقلاب صرف اور صرف نام کی حد تک باقی ہے۔ آیۃ اللہ العظمی السید محمد کاظم شریعتمداری نے اس کی بہت زیادہ مخالفت کی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی علمی شخصیات نے امام خمینی کے انقلاب اور ان کی حکومت کی

مخالفت کی ہے کیونکہ اس میں زنا، متعہ، مرد و زن کا اختلاط اسی طرح باقی رہا۔

مگر افسوس کی بات تو یہ ہے حکومتی عہدہ داروں سے لے کر بہت سے علماء شیعہ نے اعارۃ الفرج (شرمگاہ کو ادھار دینے) کا فتویٰ دیا ہے۔ جنوبی بغداد، جنوبی ایران اور ایران و عراق کے بعض علاقوں میں بے شمار خاندان اس فتویٰ کی بنیاد پر اس حرام فعل کی مشق کرتے رہتے ہیں۔

جن علماء نے اس حرام کاری کا فتویٰ دے رکھا ہے، ان میں مشہور یہ ہیں:۔

''السیستاني، الصدر، الشیرازی، الطباطبائی اور البروجردی وغیرہ۔ یہ لوگ جب کسی کے ہاں بطور مہمان اترتے ہیں تو ان کی سب سے خوبصورت عورت کو متعہ کے لئے طلب کرتے ہیں اور جب تک وہاں رہتے ہیں یہ عورت ان کے قبضے میں رہتی ہے۔

معاملہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ انہوں نے اپنے فتاویٰ جات میں عورتوں سے لواطت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی انہوں نے ائمہ کرام کی طرف منسوب چند روایات کو بنیاد بنایا ہے۔ امام طوسی نے عبد اللہ یعفور سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنی بیوی کو پیچھے سے آتا ہے۔ فرمایا کہ جب بیوی راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے (**فاتوهن من حيث امركم الله**) یعنی جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے اپنی بیویوں کے پاس وہاں سے آؤ۔ فرمایا کہ اولاد کی طلب کے وقت یہ حکم ہے۔ لہٰذا اولاد کی غرض سے تو آگے سے ہی آنا چاہئے لیکن اس کے علاوہ پیچھے سے بھی آیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے:۔

(**نساءكم حرث لكم فاتوا حرثكم انى شئتم**)

''تمہاری عورتیں کھیتی ہیں جہاں سے دل چاہے اپنی کھیتی میں آؤ۔'' (الاستبصار: ۳/۲۴۳)

طوسی نے عبداللہ بن عبدالملک سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابوالحسن رضا سے سوال کیا کہ انسان اپنی بیوی کے پاس پچھلی جانب سے اس کی دبر میں جماع کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ قرآن میں عمل قوم لوط کا قول مذکور ہے جس سے دبر میں جماع کی اباحت ہے۔ (**ھولآء بناتی ھن اطھرلکم**) کیونکہ لوط علیہ السلام جانتے تھے کہ میری قوم عورتوں کی شرمگاہ کو پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا انہوں نے دبر میں جماع کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کی تھیں۔ (**العیاذ باللہ**)(ایضاً:۳/۳۴۳)

طوسی نے علی بن حکم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے صفوان کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کے ایک غلام کو ایک مسئلہ درپیش ہے اور اس نے مجھے آپ سے سوال کرنے کو کہا کیونکہ وہ آپ سے سوال کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ فرمایا کیا سوال ہے؟ پوچھا کوئی شخص اپنی بیوی کی دبر سے جماع کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا یہ خاوند کے لئے تو ہے۔ (ایضاً)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اقوال آیت کریمہ کے بالکل منافی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ (**یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض**) (البقرہ/۲۲۲)

''آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دیں یہ گندگی ہے۔ عورتوں سے حیض کے دنوں میں الگ ہوجاؤ۔''

فرض کریں اگر عورت کی دبر سے جماع کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے کہ حیض کے دنوں میں تم اپنی عورتوں سے دور رہو؟ اور آیت یوں ہوتی (**فاعتزلوا فروج النساء**

فی المحیض) ''حیض میں عورتوں کی شرمگاہ سے دور رہو''، لیکن چونکہ دبر سے جماع کرنا ہر حال میں منع ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے (**ولا تقربوھن**) فرما کر حالت حیض میں فرج اور دبر دونوں جگہوں سے عورت کے پاس آنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائیں تو وہاں سے ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو آنے کا حکم دیا ہے (**فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ**) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں سے عورت کے پاس جانے کا حکم دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فرج ہے جہاں جماع کا حکم ہے کیونکہ عورت کو کھیتی کہا گیا ہے یعنی جس طرح کھیتی سے اناج حاصل کیا جاتا ہے اس طرح عورت سے اولاد حاصل ہوتی ہے لہٰذا عورت کے پاس اس جگہ سے آؤ جہاں سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔

گویا حرث کا صحیح مفہوم اسی صورت میں پورا ہوتا ہے جب عورت کے پاس اس کی فرج سے آیا جائے۔ غور کا مقام یہ ہے کہ ابویعفور سے روایت میں ابوعبداللہ کے قول کا مطلب ہے کہ جب اولاد مقصود ہو تو عورت کے پاس فرج سے آیا جائے۔ گویا اس روایت کا مفہوم ہے کہ فرج کو صرف اولاد حاصل کرنے کے ساتھ خاص کیا جائے گا اور جہاں تک قضائے شہوت کی بات ہے وہ عورت کی دبر سے پوری کی جائیگی۔ روایت کی سیاق سے یہی مفہوم سمجھ آرہا ہے۔ لیکن یہ مفہوم سراسر غلط ہے کیونکہ عورت کی فرج صرف اولاد پیدا کرنے کی جگہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ قضائے شہوت کے لئے بھی ہے۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ابوعبداللہ کا مقام رفیع اس باطل قول کا محتمل نہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے اور اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ عورت کی دبر سے جماع کرنا بھی جائز ہے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: (**فاتوھن من حیث امرکم اللہ**) کا کیا مطلب ہوگا؟

وہ کون سا مقام ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ عورت کے پاس آنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے، حالانکہ یہ بات تو معلوم ہے کہ جماع کرنے کے لئے آپ کے قول کے مطابق ،قبل اور دبر ہی ہے، ان دو جگہوں کے علاوہ تیسرا کونسا مقام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ یا کیا اللہ کا فرمان بے معنی ہے؟ ان دو مقامات میں سے ایک بہر حال حرام ہے جس سے جماع کرنا جائز نہیں ہے جبکہ دوسرا مقام حلال ہے اور ایام حیض میں اسی حلال سے ممانعت مقصود تھی لہٰذا احتیاط کے وقت اسی کو بیان کر دیا گیا ہے۔اللہ نے کھیتی کے پاس آنے کا حکم دیا ہے اور کھیتی سے مراد اولاد پیدا کرنے والی جگہ ہے۔اس ایک جگہ سے قضائے شہوت کا کام بھی پورا ہوتا ہے اور پیدائش اولاد کا بھی!

اب وہ روایت باقی رہ جاتی ہے جو امام رضا کی طرف منسوب ہے جس میں انہوں عورت سے لواطت کرنے کو جناب لوط علیہ السلام کے قول سے ثابت کیا ہے۔میرے خیال میں جناب لوط علیہ السلام کے قول (ھو لاء بناتی ھن اطھر لکم) کی تفسیر ایک دوسری آیت میں بیان ہوئی ہے۔وہ یہ ہے:﴿ولوطاً از قال لقومه انکم لتاتون الفاحشة ما سبقکم بها من احدٍ من العالمین انکم لتاتون الرجال وتقطعون السبیل﴾ (عنکبوت: ۲۸،۲۹)

"اور جب لوط علیہ السلام نے اپنے قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں کبھی کسی نے نہیں کیا۔کیا تم مردوں کے پاس بدفعلی کے لئے آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو۔"

آیت میں قطع السبیل سے مراد وہ نہیں ہے جو ڈاکو راستے پر بیٹھ جاتے ہیں، نہیں بلکہ

اس کا مطلب نسل کشی ہے اور اس کی صورت یہی ہے کہ عورت کے پاس اس جگہ سے آیا جائے جہاں سے اولاد پیدا ہونے کا امکان تک نہیں ہوتا۔پس اگر لوگ مرد یا عورت کے پیچھے سے جماع کرتے رہیں اور فرج کو استعمال کرنا ترک کر دیں تو اس سے انسانیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور نسل کشی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔آیت کریمہ کا یہی مفہوم ہے۔خاص طور پر جب ہم سیاق کلام کو پیش نگاہ رکھیں تو یہی معنی زیادہ واضح سمجھ آتا ہے۔ہمارا یقین ہے کہ امام رضا اس مفہوم سے نا آشنا نہیں ہوں گے۔لہٰذا ان کی طرف اس قول کو منسوب کرنا کذب بیانی ہے۔یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ عورت کے پاس دبر سے آنے کے قائلین صرف اور صرف شیعہ ہیں۔ان میں سے بھی شیعہ امامیہ اور فرقہ اثناء عشریہ۔یہی وجہ ہے کہ نجف میں حوزہ سے متعلقہ خاندان سادات، بلکہ ہر جگہ اس فعل کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ہمارے ایک دوست تھے جن کا نام حجۃ اللہ سید احمد وائلی تھا۔ان کا کہنا تھا کہ جب سے میں نے یہ روایات سنی ہیں ان پر عمل پیرا ہوں اور بہت کم ایسا موقع آیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کے قبل (آگے) سے جماع کیا ہو۔جب کبھی اور جہاں کہیں میری ملاقات کسی ساداتی سے ہوئی، میں نے اس سے یہی سوال کیا کہ کیا عورت کی دبر سے جماع کرنا حلال ہے یا حرام؟ ہر ایک کا جواب یہی ہوتا تھا کہ حلال ہے اور ساتھ ہی وہ یہ روایات دلیل کے طور پر پیش کر دیتا تھا جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔انتہائی افسوس کی بات تو یہ ہے کہ شیعہ نے صرف عورت سے لواطت ہی کو حلال قرار نہیں دیا بلکہ ان کے نزدیک مرد کے ساتھ لواطت بھی جائز ہے۔

ایک دفعہ ہم حوزہ میں بیٹھے تھے، ہمیں اطلاع پہنچی کہ سید عبد الحسین شرف الدین بغداد آئے ہوئے ہیں۔وہ عنقریب حوزہ میں تشریف لانے والے ہیں۔یہاں وہ سماحۃ الامام آل

کاشف الغطاء سے ملاقات کریں گے۔ سید شرف الدین شیعہ عوام وخاص میں خاصے مقبول تھے، بالخصوص ان کی تصنیفات مثلاً مراجعات، نص اور اجتہاد نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ چنانچہ جب وہ نجف پہنچے تو حوزہ میں بھی تشریف لائے۔ ان کی آمد پر علماء اور طلباء کا خاصا ہجوم جمع ہو گیا۔ وہ دفتر میں سید آل کاشف کے پاس جا بیٹھے۔ چند ساداتی اور دیگر طلباء بھی وہاں موجود تھے۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ اسی اثنا میں ایک نوجوان لڑکا آداخل ہوا۔ اس نے سلام کے بعد سید آل کاشف سے کہا کہ سید میرا ایک سوال ہے۔ سید نے کہا: آپ شرف الدین کے سامنے اپنا سوال پیش کریں۔ سائل نے کہا: میں لندن میں ڈاکٹریٹ کر رہا ہوں، اور اب تک غیر شادی شدہ ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنے پاس کوئی عورت رکھ لوں جو کام میں میری معاونت کر سکے۔ اس نے کام کا ذکر نہ کیا۔ سید نے فرمایا کہ آپ شادی کریں اور اپنی بیوی کو ساتھ لے جائیں۔ اس نے کہا میرے لئے کافی مشکل ہے کہ بیوی کو کسی غیر ملک میں اپنے ساتھ رکھوں۔ سید شرف الدین گویا ہوئے: آپ کا ارادہ کسی برطانوی خاتون سے شادی کا ہے؟ اس نے کہا ہاں! سید صاحب نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے کیونکہ کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرنا حرام ہے۔ (حالانکہ اسلام نے کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ مترجم) اس نے کہا: پھر میں کیا کروں؟ سید نے فرمایا کہ آپ وہاں مقیم کسی ایسی عورت کو تلاش کریں جو مسلمان ہو۔ خواہ وہ ہندوستانی ہو یا عربی، تاہم اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اس نے کہا: میں نے بہت تلاش کیا ہے لیکن مجھے کوئی ایسی مسلمان خاتون نہیں مل سکی جو میری بیوی بننے کے لائق ہو۔ حتی کہ میں نے متعہ کرنے کی بھی کوشش کی لیکن مجھے کوئی خاص عورت نہ مل سکی۔ اب میرے پاس دو راستے ہیں: زنا یا نکاح۔ لیکن میں ان میں سے کسی پر بھی قادر نہیں ہوں۔ کیونکہ زنا حرام ہے اور شادی

میں عذر ہے۔ میں وہاں کم وبیش ایک سال تک قیام کرتا ہوں اور چند ماہ کی رخصت پر وطن واپس آتا ہوں۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ سفر کس قدر طویل ہے، اب میں کیا کروں؟ سید شرف الدین لحہ بھر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئے آپ کا مسئلہ واقعی نازک ہے۔ میں نے امام جعفر صادق کی ایک روایت پڑھی تھی کہ ان کے پاس بہت دور سے ایک آدمی آیا تھا۔ اپنی بیوی سے محبت کرنے میں وہ معذور تھا جبکہ اس شہر میں اس کو متعہ کی بھی فراہمی نہ تھی۔ گویا اس کا مسئلہ آپ جیسا ہی تھا اس سے ابوعبداللہ نے فرمایا کہ **اذا طال بک السفر فعلیک ینکح الذکر.**

جب تیرا سفر طویل ہو تو کسی مذکر سے نکاح کر لے (مجھے السید شرف الدین کے بعض شاگردوں نے خبر دی کہ جب وہ یورپ کی سیر کو گئے تو وہاں کی خوبصورت عورتوں سے متعہ کا فعل کرتے رہے۔ وہ ہر روز ایک نئی لڑکی منگواتے، حالانکہ انہوں نے وہاں ایک عیسائی لڑکی جس کا نام تھارتھا، شادی بھی کر رکھی تھی۔ وہ اس فعل کو اپنے لئے کیوں حلال سمجھتے تھے جسے دوسروں کے لئے حرام قرار دے رہے ہیں)، تیرے سوال کا یہی جواب ہے۔ آدمی چلا گیا لیکن اس کے چہرے سے یہ تأثر مل رہا تھا کہ وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہے۔ حاضرین میں سید علیم بھی تھے، لیکن افسوس کہ تمام حضرات خاموش رہے۔ جب مجھے فرصت ملی تو میں نے تنہائی میں سید آل کاشف سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا جس کو سید شرف الدین نے بیان کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں درس تدریس میں مشغول ہوں یہ روایت میرے مطالعے میں نہیں آئی۔ میں نے بعد میں بھی کافی کاوش کی ہے کہ اس روایت کو کسی مصدر کی کتاب میں تلاش کر سکوں لیکن کوشش کے باوجود مجھے یہ روایت نہیں مل پائی۔ میرا خیال ہے کہ سید شرف الدین نے حاضرین کے سامنے نادم ہونے سے بچنے کے لئے اپنی طرف سے یہ جواب دینا ہی مناسب سمجھا۔

یہ بات آن دی ریکارڈ ہے کہ حوزہ میں ایک سید نے ایک بے ریش طالب علم سے لواطت کی اور یہ خبر عام ہو گئی۔ اگلی صبح سید شرف الدین چل رہے تھے کہ کسی سید نے از راہِ مزاح

ان سے استفسار کیا۔ سید صاحب لڑکے سے لواطت کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ سید نے بھی مسکراتے ہوئے مزاح میں جواب دیا کہ یہ ایک مستحسن امر ہے لیکن صرف حشوہ (عضو تناسل کا اگلا حصہ) ہی داخل کرنا چاہئے۔ اس کے بعد سید ین نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔ حوزہ ہی میں ایک سید لواطت میں مشہور تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکا کسی دوسرے شیعہ عالم کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس نے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟ اس نے کہا: فلاں کا بیٹا ہے۔ سید نے کہا آپ اس کو ہمارے پاس کیوں نہیں بھیج دیتے تا کہ ہم اس کی تعلیم وتربیت کریں اور یہ بھی آپ جیسا عالم بن جائے۔ اس نے سختی سے جواب دیا: اوغلیظ کیڑے! کیا تیرا ارادہ یہ ہے کہ میں اس کو تیرے حوالے کردوں اور تو اس سے لواطت کرتا رہے۔ یہ واقعہ مجھے حوزہ کے ایک جید استاد نے بیان کیا۔ (یہ واقعہ عجیب وغریب نہیں ہے کیونکہ بعض نظمیں جو ہم دوران تعلیم پڑھا کرتے تھے وہ اس غلیظ کام پر دلالت ہیں، جیسے ناظم کا شعر ہے: "وجائز نكاح الغلام الأمرد" بغیر داڑھی نکلے بچے سے نکاح جائز ہے) اس قسم کے کئی ایک حوادث کا ہم نے ازخود مشاہدہ کیا اور لاتعداد واقعات ہم نے سن رکھے ہیں۔ ہمارے ایک خاص دوست سید عباس نے اس قبیل کے کئی واقعات جمع کر رکھے ہیں اور ان کو نام اور تاریخ کی ساتھ تفصیلاً مدون کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھیں جس کا نام رکھیں "نجف کے علمی مرکز کی رسوائیاں"۔ کیونکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ شیعہ عوام کے سامنے حقائق پیش کردیئے جائیں جن بیچاروں کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ یہاں مذہب کی آڑ میں کیا ہوتا ہے اور ہمارے سید حضرات کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی یا بیٹی یا بہن کو زیارتِ اولادِ حسین کے لئے بھیجتے ہیں لیکن سید حضرات ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں تا کہ اس کے ساتھ اپنا منہ کالا کریں۔ (لاحول ولا قوة الا بالله)

آسمانی کتابیں

تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد بن عبداللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ کی معتبر ترین کتب مصادر کے مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت واہوئی کہ فقہائے شیعہ کے مطابق بعض دیگر کتابیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہیں۔ یہ کتابیں امیر المؤمنین کے بارہ میں خاص ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ا۔ الجامعہ:

ابوبصیر نے ابوعبداللہ سے ان کا یہ قول روایت کیا ہے: میں محمد ہوں اور ہمارے پاس الجامعہ ہے۔ لوگ کیا جانیں کہ الجامعہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا میں قربان جاؤں الجامعہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک صحیفہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ستر ہاتھ کے بقدر طویل ہے۔ اس کی کتابت امیر المؤمنین نے فرمائی۔ اس میں حلال وحرام کا جامع بیان ہے اور زخم کے تاوان جیسی باریک ترین شے، جس کی لوگوں کو احتیاج ہے، اس میں موجود ہے۔ (الکافی: ۱/۲۳۹)

اس صحیفہ کے بارے میں الکافی، البحار، بصائر اور الدرجات اور وسائل الشیعہ میں بکثرت روایات پائی جاتی ہیں لیکن میں اسی ایک روایت پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ الجامعہ کی کوئی حقیقت بھی ہے اور یہ کہ قیامت تک کی احتیاجات کا اس میں بیان ہوگا۔ اگر یہی بات ہے تو وہ پوشیدہ کیوں ہے؟ اگر ہر قسم کے حلال وحرام کا اس میں تذکرہ ہے تو کیا یہ کتمانِ علم نہیں ہے کہ اس کو چھپا کر رکھا جائے؟؟

۲۔صحیفہ الثاموس:

امام رضا علیہ السلام علاماتِ امام کی حدیث میں بیان کرتے ہیں: ہمارے پاس ایک ایسا صحیفہ بھی ہے جس میں امام کے قیامت تک کے پیروکاروں کے نام موجود ہیں۔ یہ وہ صحیفہ ہے جس میں امام کے قیامت تک کے دشمنوں کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔" (بحار الانوار ۲۰/۱۱۷)..... میں پوچھتا ہوں آخر یہ کتنا بڑا صحیفہ ہے جس میں قیامت تک کے تمام شیعہ حضرات کے نام مذکور ہیں؟ اگر ہم آج عراق کے شیعہ کے فقط نام ہی لکھنا شروع کردیں تو اس کے لئے بھی کم از کم سو جلدیں درکار ہوں گی۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ہم ایران، ہندوستان، پاکستان، شام، لبنان اور دیگر خلیجی ممالک کے موجودہ شیعہ افراد کے نام شمار کرنا چاہیں تو ہمیں کتنی جلدوں کی ضرورت ہوگی؟ اس سے ذرا آگے بڑھیں کہ اگر ہمیں مذہب شیعہ کے ظہور سے لے کر آج تک کے تمام فوت شدگان شیعہ کا تذکرہ کرنا ہو تو ہمیں کتنے رجسٹر چاہئے ہوں گے؟ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھیں کہ اگر ہمیں آج کے بعد سے لے کر قیامت تک آنے والے شیعہ کے نام لکھنا ہو تو ہمیں کس قدر کاغذ کی ضرورت ہوگی؟ لیکن فرض کریں اگر ہمیں صحیفہ الثاموس کے ظہور سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام شیعہ حضرات کے اسمائے گرامی کو لکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو ہمیں کتابت کا کیسا انتظام کرنا پڑے گا؟ ایک سمندر نہیں بلکہ اس کی مثل اگر سات سمندروں کا پانی بھی سیاہی بن جائے تو ان اسماء کو لکھنے کے لئے ناکافی ثابت ہوگا۔ اور اگر ہم جدید ایجادات میں سے کمپیوٹر جیسے برقی آلات بھی بروئے کار لائیں تو اس خیالی تعداد کا احاطہ ناممکن ہوجائے گا اور ہمہ قسم کی ایجادات ان ناموں کی گنتی سے عاجز آجائیں گی۔ جب ایک عام آدمی کی عقل بھی اس قسم کی روایات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے تو صاحبان علم ان کو کیونکر قبول کر

سکتے ہیں۔ (صحیفہ الثاموس کے بارہ میں جو روایت بحار الانوار میں بیان ہوئی ہے مصنف عبد الرحمٰن نے اس کے صرف پہلے حصہ پہ نقد فرمایا ہے۔ مذکورہ روایت کے دوسرے حصہ پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے صحیفہ الثاموس میں امام کے اور امام کے شیعہ کے تمام دشمنوں کے نام بھی موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صحیفہ میں ابنائے آدم میں سے ہر فرد و بشر کا نام مذکور ہے۔ بڑی حیرانی کی بات ہے یہ صحیفہ الثاموس ہے یا لوح محفوظ! جس میں اس قدر وسعت اور گنجائش پائی جاتی ہے۔ (مترجم))

آئمہ کرام سے اس قسم کے کلام کا صدور ناممکن ہے جس کو عقل ومنطق کا پیمانہ قبول کرنے سے قاصر ہو۔ اگر اس قسم کی روایات پر مستشرقین کی نگاہ پڑ جائے تو ان سے جو بن پایا وہ کلام کریں گے۔ دین اسلام کو ہدفِ طعن بنائیں گے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جن سے ان کے قلوبِ سیاہ فام کی تشفی ہوتی ہے۔

۳۔صحیفہ العبیط:

امیر المؤمنین علیؑ سے مروی ہے: اللہ کی قسم میرے پاس رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت سے متعلقہ بے شمار صحیفے ہیں، ان میں سے ایک کا نام العبیط ہے۔ یہ عرب پر بڑا گراں ہے کیونکہ اس میں عرب کے ان ساٹھ قبائل کا تذکرہ ہے جن کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (بحار الانوار ۲۶/۳۷)

یہ روایت بھی عقل وفہم ہر دو اعتبار سے مردود ہے کیونکہ جب اس قدر کثیر قبائل عرب کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں ہے جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ روایت میں قبائل کو عرب کے ساتھ خاص کیا گیا ہے

جس سے وطن پرستی کی بدبو آتی ہے۔ آئندہ باب میں ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

۴۔ صحیفہ ذوابۃ السیف: ابو بصیر جناب ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی نیام میں ایک چھوٹا سا صحیفہ تھا۔ اس میں چند حروف تھے اور ہر حرف میں سے ایک ہزار حرف نکلتا ہے۔ قیامت تک ان میں سے صرف دو حرف ہی نکل پائیں گے۔ (بحار الانوار ۲۶/۵۶) میں کہتا ہوں کہ باقی حروف کہاں ہیں؟ کیا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس میں سے جو کچھ بھی نکلا ہے اس سے فقط شیعہ اہل بیت سے استفادہ کر سکتے ہیں؟ یا امام قائم کے ظہور تک یہ پوشیدہ ہی رہیں گے؟؟

۵۔ صحیفہ علیؓ: یہ صحیفہ بھی نیامِ شمشیر میں تھا۔ ابوعبداللہ سے مروی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کی نیام میں ایک صحیفہ دیکھا جس میں لکھا تھا کہ اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کسی شخص نے بلا وجہ کسی کو مارا یا بے سبب کسی کو قتل کیا یا ناحق ولایت سنبھالی، وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا تو اس کو کافر شمار کیا جائے گا۔ اور جس نے کسی بدعت کو ایجاد کیا یا کسی بدعتی کو پناہ دی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول کریں گے نہ نفل۔" (ایضاً ۲۷/۶۰)

۶۔ الجفر: جفر کی دو قسمیں ہیں؛ پہلا جفر ابیض ہے اور دوسرا جفر احمر ہے۔

ابو درداء کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میرے پاس جفر ابیض ہے۔ میں نے کہا اس میں کیا ہے؟ فرمایا اس میں داؤد کی زبور، موسیٰ کی توریت، عیسیٰ کی انجیل، ابراہیم کے صحیفے اور حلال وحرام ہے۔ اور میرے پاس جفر احمر بھی ہے۔ میں نے پوچھا جفر احمر میں کیا ہے؟ فرمایا؛ اس کو قتل کے وقت یا خون بہا کے وقت کھولا جاتا ہے۔ ابوعبداللہ سے عبداللہ

بن ابویعفور نے کہا: اللہ آپ کی حفاظت فرمائے کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ حسنؓ کے بیٹے ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں اللہ کی قسم! جیسے لوگ دن کو دن اور رات کو رات سمجھتے میں غلطی نہیں کرتے، میں بھی انہیں حسنؓ کا بیٹا سمجھنے میں خطا نہیں کر رہا ہوں۔ البتہ انہیں حسد اور طلب دنیا نے انکارِ حق پر انگیختہ کیا ہے۔ اگر یہ اپنے حق کو برحق طریقے سے طلب کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔"
(اصول الکافی ۱/۲۴)

میں نے امام خوئی سے جفر احمر کے بارے میں سوال کیا کہ اس کو کون کھولے گا اور یہ خون کون بہائے گا؟ انہوں نے فرمایا: اس کو صاحبِ زماں کھولیں گے۔ اللہ تعالیٰ جلدی ان کا ظہور فرمائے اور وہی ناجی یعنی اہل سنت کا خون بہائیں گے..... ان کا خون دجلہ اور فرات کے پانی کی مانند بہے گا۔ صاحبِ زماں قریش کے دو بتوں ابوبکرؓ وعمرؓ اور ان کی دو بیٹیوں عائشہؓ اور حفصہؓ سے انتقام لیں گے وہ عثمان، بنوامیہ اور عباس سے بھی بدلہ لیں گے اور ان کی قبروں کو بری طرح اکھاڑ پھینکیں گے۔"

میرا خیال ہے کہ امام خوئی کے کلام میں انتہا درجہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اہل بیت کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ فوت شدگان کی ان قبروں کو اکھاڑ پھینکیں جن کو فوت ہوئے ایک زمانہ دراز بیت چکا ہے۔ کیونکہ آئمہ کرام تو بداخلاق سے بھی احسان، عفو اور درگزر سے پیش آتے تھے۔ لہٰذا ان سے اس کی قطعاً امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ مُردوں کی قبروں کو انتقام لینے اور حد نافذ کرنے کے لئے اکھاڑیں گے کیونکہ مُردوں پر حدیں قائم نہیں کی جاتیں۔

مصحف فاطمہ:

(۱) علی بن سعید ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں: "ہمارے پاس ایک ایسا مصحف بھی ہے

جس کا نام مصحف فاطمہؓ ہے۔اس میں کتاب اللہ سے ایک آیت بھی نہ ہے۔اس کو رسول اللہ ﷺ نے املاء کروایا اور علی نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔" (بحار الانوار ۲۶/۴۱)

(۲) محمد بن مسلم ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: "فاطمہ نے اپنے پیچھے ایک مصحف چھوڑا ہے جو دراصل قرآن ہی ہے لیکن یہ اللہ کا ایسا کلام ہے جو فاطمہ پر نازل ہوا تھا۔اس کو رسول اللہ ﷺ نے املاء کروایا اور علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔" (بحار الانوار ۲۶/۴۲)

(۳) علی بن ابو حمزہ نے ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے: "ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے۔یاد رکھئے! اللہ کی قسم اس میں ایک حرف بھی قرآن کریم کا نہیں ہے۔اس کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے علیؓ نے لکھا۔" (ایضاً ۲۶/۴۸)

میں کہتا ہوں اگر کوئی ایسی کتاب اپنا وجود رکھتی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا اور علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا تو آپ ﷺ نے اس کو امت سے کیوں چھپا کر رکھا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس شے کی تبلیغ کا حکم دیا ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔

﴿یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ﴾ (المائدہ: ٦٧)

"اے رسول (ﷺ)! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، پہنچا دیجئے۔اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔"

لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس قرآن کو رسول اللہ ﷺ اپنی تمام کی تمام امت سے چھپا کر رکھیں اور امیر المؤمنین یا ائمہ اطہار سے بھی؟ یہ کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب شیعہ پر اس کو ظاہر نہ کیا ہوگا؟

تورات وانجیل وزبور:

ابو عبداللہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ تورات زبور اور انجیل کو سریانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔اس کی وضاحت کیلئے الکافی کے صفحہ ۲۰۸ کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا گیا ہے کہ ائمہ کرام کے پاس، اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی تمام کتابیں موجود ہیں اور وہ اختلاف زبان کے باوجود ان کو سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم:

قرآن حکیم کو ثابت کرنے کیلئے، ہمیں کسی کی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلاشبہ یہ تحریف و تغیر سے پاک کتاب ہے لیکن فقہائے شیعہ کی کتابیں اور ان کے اقوال اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قرآن حکیم معاذ اللہ تحریف کردہ کتاب ہے اور تمام کتب سماویہ میں سے یہ وہ واحد کتاب ہے جو اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں رہ سکی ہے۔شیعہ مصنف نوری طبرسی نے قرآن کریم کی تحریف کو ثابت کرنے کیلئے ایک ضخیم کتاب ترتیب دی ہے، جس کا نام ہے **" فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب"**۔اس کتاب میں مصنف نے تقریباً دو ہزار سے زائد روایات جمع کردی ہیں جو تمام کی تمام قرآن کریم کے محرف ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔کتاب میں شیعہ علماء کے وہ تمام اقوال بھی موجود ہے جس میں اس مؤقف کی صراحت پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جو قرآن موجود ہے وہ اصل قرآن کی تحریف شدہ شکل ہے۔شیعہ کے متقدمین اور متاخرین علماء وفقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے۔

سید ابوالحسن العاملی کہتے ہیں: "اخبار و آثار کی تلاش کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن

کریم تحریف شدہ ہے یہ ایک ایسا موقف ہے جو شیعہ مذہب میں ضروریات دین کا درجہ رکھتا ہے۔ خلافت کو غصب کرنے کا سب سے بڑا مقصد ہی قرآن کریم میں تحریف کرنا تھا۔''

(البرہان: ص ۴۹)

سید نعمت اللہ الجزائزی اہل سنت کے موقف کی تردید میں لکھتے ہیں۔

''جو روایات قرآن حکیم کے محفوظ ہونے پر پیش کی گئی ہیں ان کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہمارے پاس ایسی متواتر روایات موجود ہیں جن پر ہمارے علماء نے صحت وتصدیق کا حکم لگایا ہے کہ قرآن حکیم محرف ہو چکا ہے۔ مثلاً ابو جعفر نے جابر سے نقل کیا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ قرآن حکیم ایک کذاب شخص نے جمع کیا تھا لیکن حضرت علیؓ اور مابعد آنے والے آئمہ نے قرآن کو اس شکل میں من وعن حفظ کیا جس طرح یہ نازل ہوا تھا۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے پاس آج جو قرآن موجود ہے وہ تحریف شدہ ہے اور اصل قرآن علی اور ائمہ مابعد کے پاس تھا حتی کہ یہ امام قائم کے پاس منتقل ہو گیا۔''

امام خوئی جب مرض الموت میں صاحب فراش تھے تو انہوں نے حوزہ کی مسندِ تدریس پر ہمیں وصیت کی تھی:

''تم مسلمانوں کے قرآن کو پکڑے رکھو حتی کہ فاطمہؓ کا قرآن ظاہر ہو جائے۔''

فاطمہؓ کے قرآن سے مراد دراصل مصحف فاطمہ ہے جس کو جناب علیؓ نے لکھا تھا۔ اس کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے، جو اللہ کی جانب سے نازل ہوا تھا۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ تمام کی تمام کتابیں امیر المؤمنین علیؓ اور ائمہ مابعد کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن آج تک امت مسلمہ حتی کہ خود عوام شیعہ کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ لیکن قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جو اب بھی امت میں

موجود ہے لیکن فقہائے شیعہ کے نزدیک یہ چونکہ غیر محفوظ ہاتھوں سے منتقل ہوئی ہے لہٰذا اس میں بہت زیادہ حذف واضافہ ہو چکا ہے۔ اگر واقعتاً یہ تمام کتابیں منزل من اللہ ہیں اور امیر المؤمنین علیؓ نے اس کو کما حقہ محفوظ کیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ آج یہ امت میں موجود نہیں ہیں؟ حالانکہ اس وقت امت کو اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ان کتابوں کی اشد ترین ضرورت ہے؟ فقہائے شیعہ اس کے کئی ایک اسباب بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب علیؓ نے جھگڑے کے خوف کی وجہ سے ان کو چھپائے رکھا تھا۔ میں کہتا ہوں کیا علیؓ امیر المؤمنین اور شیر خدا ہونے کے باوجود اس قدر بزدل تھے کہ وہ اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ کیا صرف جھگڑے کے خوف کی وجہ سے انہوں نے اللہ کا حکم چھپائے رکھا اور امت کو اس سے محروم کر دیا؟ نہیں اللہ کی قسم ہرگز نہیں! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غیر اللہ سے اس قدر خائف ہونے والے نہیں تھے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیؓ اور ائمہ مابعد نے توریت، زبور اور انجیل کو کیسے محفوظ رکھا؟ حتی کہ یہ کتابیں شیعہ میں متداول ہیں اور وہ ان کی تلاوت بھی کرتے ہیں؟ جب اس بات میں بے شمار نصوص پیش کی جاتی ہیں کہ امیر المؤمنین علی ہی تنہا وہ شخصیت تھے جنہوں نے قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ کو من وعن محفوظ کر لیا۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ توریت، زبور اور انجیل کی انہیں ضرورت کیوں پیش آئی تھی، خاص طور پر جب قرآن کریم نے ان کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اور ہم سب اس بات کو جانتے ہیں۔ مجھے ان روایتوں سے کئی نادیدہ خبیث ہاتھ کی بدبو آتی ہے جس نے وضع کرنے کے بعد ان روایات کو ائمہ کرام کی جانب غلط طور پر منسوب کر دیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام میں ایک ہی کتاب 'قرآن حکیم' ہے اور یہودیت اور نصرانیت میں لاتعداد کتابیں پائی جاتی ہیں جن کے

مجموعے کو وہ کتاب مقدس کا نام دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امیر المؤمنین نے تمام کتابوں کو محفوظ کر رکھا تھا اور یہ تمام کتابیں منزل من اللہ ہیں، ایک باطل قول ہے۔ کیونکہ ہمارے خیال میں یہود نے شیعت کا لبادہ اوڑھ کر اسلام میں دخل اندازی کی کوشش کی ہے۔

اہل سنت کے بارے میں شیعہ کا اعتقاد

فقہاء و مجتہدین کے اقوال اور معتبر شیعہ کتابوں کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شیعہ کا صرف ایک ہی دشمن ہے اور وہ ہے اہل سنت۔ شیعہ نے اہل سنت کو کئی نام دے رکھے ہیں جن میں سے دو نام؛ عامہ اور نواصب ہیں۔ شیعہ جماعتوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اہل سنت نسلی طور پر ذلیل ترین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ جب ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرتے یا برا بھلا کہتے ہیں تو ان کا کہنا ہوتا ہے (**عظم سنی فی قبر ابیک**) شیعہ کی نگاہ میں ایک سنی اس قدر نجس ہے کہ ہزار مرتبہ غسل کرنے سے بھی اس کی نجاست دور ہوتی ہے نہ ہی پاک ہوتا ہے۔

میں ہمیشہ اس بات کا تذکرہ کرتا ہوں کہ ایک دفعہ میرے والد رحمۃ اللہ کو بازار میں ایک اجنبی مسافر مل گیا۔ والد گرامی چونکہ نیکی سے حد درجہ محبت کرنے والے تھے، لہٰذا وہ مسافر کو ہمارے گھر لے آئے تا کہ اس کی مہمان نوازی اور شب گزاری کا بندوبست کریں۔ شام کے کھانے کے بعد وہ باتیں کرنے لگے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں حوزہ میں ابتدائی سال کا طالب علم تھا۔ گفتگو کے دوران ہمیں علم ہوا کہ وہ شخص سنی ہے اور سامراء کے اطراف سے نجف میں کسی کام کی غرض سے آیا ہے۔ وہ رات ہمارے گھر پر ٹھہرا رہا۔ صبح ہم نے اس کو ناشتہ پیش کیا۔ کھانا کھانے کے بعد جب وہ عازم سفر ہوا تو والد گرامی نے اس کی خدمت میں کچھ رقم پیش کی تا کہ دوران سفر ضرورت پر اس کے کام آئے۔ مہمان نے رخصت ہوتے وقت حسنِ ضیافت پر

ہمارا شکریہ ادا کیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو والد گرامی نے کہا کہ جس بستر پر وہ سویا تھا اس کو جلا دیا جائے اور جس برتن میں اس نے کھانا کھایا تھا اس کو خوب پاک کیا جائے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ سنی نجس ہوتا ہے۔ میں نے والد گرامی کا واقعہ ایک مثال کے طور پر پیش کیا ہے ورنہ تمام شیعہ حضرات کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ فقہائے شیعہ نے سنی کو نجاست میں کافر، مشرک اور خنزیر سے تشبیہ دی ہے۔ لہٰذا اہل سنت کے بارے میں شیعہ کے اعتقاد درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اہل سنت سے اختلاف کرنا واجب ہے:

(أ) صدوق نے علی بن اسباط سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام رضا **علیہ السلام** سے استفسار کیا کہ جب مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اپنے شہر میں مجھے آپ کا کوئی جانشین نہیں مل پاتا جس سے میں یہ مسئلہ دریافت کر سکوں۔ فرمایا: اہل سنت کے فقیہ شہر کے پاس جا کر مسئلہ دریافت کرو، جب وہ فتویٰ دے دیں تو اس کے برعکس کو اختیار کرو کیونکہ یہی حق ہوتا ہے۔''
(عیون اخبار الرضا: ۱/۲۷۵)

(ب) حسین بن خالد نے امام رضا سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پیروکار ہمارے حکم کے پابند ہیں۔ ہمارے قول کو اختیار کرتے ہیں اور ہمارے دشمن اہل سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔ جو شخص یہ کام نہیں کرتا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (الفصول المهمه: ۲۲۰)

(ج) مفضل بن عمر نے جعفر سے روایت کیا ہے کہ وہ شخص جھوٹا ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ شیعہ ہے اور رسی وہ ہمارے دشمن، اہل سنت کی تھامتا ہے۔'' (الفصول المهمه: ۲۲۰)

۲۔ وہ کام جائز نہیں جو اہل سنت کرتا ہے:

حر عاملی نے اپنی کتاب 'وسائل الشیعہ' کا باب ہی یہ قائم کیا ہے کہ جو کام اہل سنت کے

عمل یا ان کے طریقہ سے مطابقت رکھتا ہو، شیعہ کے نزدیک اس کا کرنا جائز نہیں ہے۔ مصنف کہتے ہیں: ''اس بارے میں لاتعداد متواتر احادیث موجود ہیں۔ امام صادق نے دو متعارض حدیثوں کی بابت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس صورت میں دونوں مختلف حدیثوں کو اہل سنت کی احادیث پر پیش کرو۔ جو حدیث ان کے مطابق ہو اسے چھوڑ دو اور جو حدیث اہل سنت کی حدیث کے مخالف ہو اس کو اختیار کرو۔ امام صادق کا فرمانا ہے کہ جب تمہیں دو مخالف قسم کی حدیثوں کا سامنا ہو تو جو اہل سنت کے خلاف ہے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔'' ان کا کہنا ہے: جو حدیث اہل سنت کے خلاف ہو اس کو اختیار کرو کیونکہ حق ان کی مخالفت میں ہے۔'' فرمایا: جس عقیدہ وعمل پر اہل سنت ہیں اللہ کی قسم تمہارا وہ عقیدہ عمل نہیں ہے اور جس عقیدہ وعمل پر تم ہو اس پر وہ نہیں ہیں۔ لہٰذا تم ان کی مخالفت کیا کرو، کیونکہ ان کے پاس حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔''

امام صادق کا کہنا ہے: ''اللہ کی قسم! جو شخص ہمارے غیر (اہل سنت) کی اتباع کرتا ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے اور جس نے ہماری موافقت کی اس کو ہمارے دشمن کی مخالفت کرنی ہے اور جو ہمارے دشمن کے قول یا عمل میں موافقت کرتا ہے نہ اس کا ہم سے کوئی تعلق ہے نہ ہم کو اس سے کوئی واسطہ۔''

آپؒ نے فرمایا: دو متعارض حدیثوں سے جو اہل سنت کے مخالف ہو اس کو اختیار کر اور جو اس کے موافق ہو اس سے اجتناب کر۔'' امام رضا نے فرمایا: ''جب دو متعارض حدیثیں پیش آئیں تو ان میں سے اہل سنت کے مخالف کو اختیار کرو اور جس کو اہل سنت کی احادیث کے مطابق خیال کرو اس کو چھوڑ دو۔'' امام صادق نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اہل سنت کے پاس استقبال قبلہ کے سوا حق نام کی کوئی شے بھی باقی نہیں رہی ہے۔'' (الفصول المهمه: ۳۲۵، ۳۲۶)

مصنف حر عاملی کا ان روایات کے بارہ میں کہنا ہے: ''یہ روایات تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ حدّ تواتر سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں۔ ہمیں متاخرین پر تعجب ہوتا ہے جن کا خیال یہ ہے کہ شیعہ کی دلیل خبر واحد پر مبنی ہے۔ یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ان متواتر احادیث سے اہل سنت کے ان اصول وقواعد کا بھی بطلان ہو جاتا ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔'' (الفصول المهمه: ۳۲)

۳۔ اہل سنت سے اتحاد ممکن نہیں ہے:

سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں: ''ہم اہل سنت سے کسی شے پر بھی متحد نہیں ہیں، نہ رب پر، نہ نبی پر اور نہ امام پر۔ کیونکہ اہل سنت کا رب وہ ہے محمد ﷺ جس کے نبی ہیں اور ابو بکرؓ اس نبی کے خلیفہ ہیں، لیکن رب اور نبی کے بارے میں ہم یہ نہیں کہتے بلکہ ہمارا کہنا ہے کہ نبی کا خلیفہ رب ہے (۱)۔ ابو بکرؓ ہمارے رب نہیں ہیں اور نہ ہی یہ نبی ہمارا ہے۔'' (الانوار: ۲/۲۷۸)

سید جزائری نے اپنی کتاب میں باب ہی یہ قائم کیا ہے۔ امامیہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ علت مذکورہ کی بنا پر اہل سنت کے برخلاف موقف اختیار کرنا واجب ہے۔

(۱) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، محمد ﷺ اس کے نبی ہیں اور ابو بکرؓ محمد ﷺ کے خلیفہ ہیں۔ سید جزائری کے کلام میں بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ محمد ﷺ کے خلیفہ ابو بکرؓ ہیں اور محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن موصوف اس معبود اور اس رسول کا اقرار نہیں کرتا۔ میں نے امام خوئی سے مسئلہ دریافت کیا لیکن اس بارہ میں، میں نے سید جزائری کا حوالہ دیا اور نہ ہی ایسی صورت مسئلہ اختیار کی جس سے ان کو کوئی شک گزرتا۔ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور اہل بیت کا منکر ہے۔)

امام صدوق نے اپنی کتاب ''علل الشرائع'' میں یہ باب قائم کیا ہے اور ان کو ائمہ کرام سے مستند قرار دیا ہے۔ مثلاً ابو اسحٰق ارجانی سے مرفوع روایت ہے کہ ابو عبداللہ نے فرمایا: ''کیا

آپ جانتے ہیں کہ میں اہل سنت کے خلاف موقف کو اختیار کرنا کیوں واجب سمجھتا ہوں؟'' میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا ''علیؓ نے دین اللہ کو اس لئے ظاہر نہیں فرمایا تھا کہ تمام امت اس کے خلاف عمل پیرا تھی اور انہیں خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں دین اللہ کو جھٹلا ہی نہ دیا جائے کیونکہ لوگ جب علیؓ سے کسی مسئلہ بارے سوال کرتے اور آپ انہیں فتویٰ دیتے تو وہ ضد و عناد کا مسئلہ بنا کر عوام میں تذبذب پیدا کر دیتے تھے۔'' یہ قصہ پڑھ کر ذہن میں فوراً ہی چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم فرض کریں کہ کسی مسئلہ میں اہل سنت مبنی برحق ہیں تو اس صورت میں بھی کیا ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں؟ مجھ کو سید محمد باقر الصدر نے ایک مرتبہ اس سوال کا جواب یہ دیا تھا کہ ہاں اس وقت بھی اہل سنت کی مخالفت کرنا واجب ہے کیونکہ ان سے اختلاف کرنا اگرچہ ایک غلطی ہے لیکن ان کو مبنی برحق کر کے ان کی موافقت کرنا اس سے بھی بڑی غلطی ہے۔ شیعہ حضرات نے اہل سنت کو صرف آج ہی ناپسند کرنا شروع نہیں کیا اور نہ ہی یہ کوئی معاصرانہ چشمک ہے بلکہ یہ ایک ایسی نفرت ہے جس کی جڑیں انتہائی گہری ہیں اور قرن اول ہی سے شیعہ نے اہل سنت کو ناگوار کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مقداد بن اسودؓ، سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ کے علاوہ تمام صحابہ کرامؓ سے ان کو عداوت ہے۔ کلینی نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے:

''رسول اللہ کی وفات کے بعد تین حضرات کے علاوہ باقی تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے، یہ تین اصحاب ابوذر، مقداد اور سلمان ہیں۔'' (روضة الكافي: ۲۴۶/۸)

فرض کریں اگر ہم یہود سے سوال کریں کہ تمہاری ملت میں افضل ترین لوگ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے: موسیٰ کے اصحاب افضل ترین لوگ ہیں۔ اگر ہم عیسائیوں سے سوال کریں تمہارے نزدیک امت مسیح کے بہترین افراد کون ہیں؟'' وہ کہیں گے عیسیٰ کے حواری بہترین

افراد ہیں۔ لیکن حیف صد حیف اگر شیعہ سے سوال کیا جائے کہ تمہارے عقیدے کی رو سے بدترین لوگ کون سے ہیں؟ تو یہ کہیں گے: محمد کے اصحاب بدترین لوگ ہیں۔

صحابہ کرامؓ پر شیعہ حضرات بکثرت سب وشتم اور لعن طعن کرتے ہیں خاص طور پر جناب ابوبکرؓ، جناب عمرؓ، جناب عثمانؓ، عائشہؓ، حفصہؓ کو ہدف طعن بناتے ہیں۔ شیعہ میں ایک بددعا مروج ہے: ''اللہ! قریش کے دو بتوں ابوبکرؓ وعمرؓ پر لعنت فرما اور ان کی دو طاغوت بیٹیوں عائشہؓ اور حفصہؓ پر بھی لعنت بھیج۔''

یہ بددعا شیعہ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے حتی کہ امام خمینی روزانہ صبح کی نماز کے بعد یہ بددعا کیا کرتا تھا۔

حمزہ بن محمد طیار کہتے ہیں کہ ہم ابوعبداللہ کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہا: ''اللہ محمد بن ابوبکرؓ پر رحم فرمائے انہوں نے ایک دن امیر المؤمنین سے کہا تھا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کیا واقعی! کہا: کیوں نہیں۔ آپ ہاتھ بڑھائیے! جب انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو محمد بن ابوبکرؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ امام ہیں جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے اور میرے باپ ابوبکر جہنمی ہیں۔ (رجال الكشي: ٦١)

یہ بات آپ کے علم میں رہنی چاہئے کہ ایران کے شہر کاشان میں باغی مین روڈ پر علی غرار الجندی کا ایک مقبرہ ہے جس میں ایک بے نام سی قبر ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ابولولوہ فیروز مجوسی کی قبر ہے جس نے خلیفہ ثانی عمر بن خطابؓ کو شہید کیا تھا۔ یہ قبر بابا شجاع الدین کے دربار سے معروف ہے۔ آپ غور کریں کہ قاتلِ عمرؓ کو شیعہ حضرات نے یہ لقب دے رکھا ہے۔ اس مقبرے

کی دیواروں پر فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے (مرگ بر ابوبکرؓ، مرگ بر عمرؓ، مرگ بر عثمانؓ) جس کا مطلب یہ ہے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی موت۔ یہ ایک ایسا مقبرہ ہے کہ ایرانی بکثرت اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس کے نام کے مال اور نیاز دیتے ہیں۔ میں نے خود اس مقبرے کو دیکھا ہے۔ ایران کی وزارت ارشاد نے اس کی توسیع وتجدید کا کام کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مقبرے کی شکل کا ایک چھاپہ خانہ بھی تعمیر کیا ہے جو اخبار ورسائل کی اشاعت کا کام کرتا ہے۔

کلینی نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے: ''ابوبکرؓ وعمرؓ جب دنیا سے فوت ہوئے تو انہوں نے توبہ نہیں کی تھی اور نہ ہی امیر المؤمنین کے ساتھ اپنی کارگزاری کو یاد کیا تھا۔ ان پر اللہ کی، ملائکہ کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔'' (روضۃ الکافی: ۳۴۶/۸)

علی بن یونس البیاضی سے روایت ہے: ''عثمان ایک ہیجڑہ تھا جس سے لوگ چھیڑ خانی کیا کرتے تھے۔'' (الصراط المستقیم: ۳۰/۲)

ابن رجب البرسی کہتا ہے: ''عائشہؓ نے خیانت کے چالیس دینار جمع کر رکھے تھے۔'' (مشارق انوار الیقین: ۸۶)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلفائے راشدین میں یہ بری عادتیں پائی جاتی تھیں تو امیر المؤمنین علیؓ نے ان کی بیعت کیوں کی تھی اور تمام مدت تک ان کی وزارت کو کیوں گوارہ کیا تھا؟ کیا علیؓ ان سے ڈرتے تھے معاذ اللہ؟ اور اگر عمر فاروقؓ کی پیٹھ میں کوئی ایسا مرض تھا جس کا علاج نہیں تھا، جیسا کہ سید الجزائری کہتا ہے، تو امیر المؤمنین علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا ان کے ساتھ نکاح کیوں کیا تھا؟ اور کیا اس بیماری میں بھی وہ ان سے جماع کر سکتے تھے؟ (بڑی عجیب بات ہے کہ مرض خود امیر المؤمنین پر مخفی رہا اور جزائری اس کو پہچان گیا) اس موضوع پر اس سے

زیادہ کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں پاتا ہوں۔

کلینی کہتا ہے: ''شیعہ کے علاوہ تمام لوگ زانی مردوں اور زانی عورتوں کی اولاد ہیں۔'' (الروضہ: ۱۳۵/۸)

یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اہل سنت کو قتل کرنا یا ان کا مال غصب کرنا جائز ہے۔

داؤد بن فرقد کہتا ہے: میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ اہل سنت کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: اہل سنت کو قتل کرنا جائز ہے اور کوشش کرنا کہ انہیں دیوار گرا کے یا پانی میں ڈبو کر قتل کر و تا کہ تمہارے خلاف کوئی گواہی پیش نہ کی جا سکے۔'' (وسائل الشیعہ: ۴۶۳/۱۸۔ بحار الانوار: ۲۳۱/۲۷)

امام خمینی نے اس قول پہ یہ حاشیہ کاری فرمائی ہے: ''اگر بن پڑے تو ان کا مال غصب کر کے خمس ہمیں ادا کرو۔''

سید نعمت اللہ جزائری کہتا ہے: ''ایک عقلمند وزیر علی بن یقطین نے اہل سنت کی ایک جماعت کو جیل میں بند کر دیا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ جیل کی چھت کو قیدیوں پر گرا دیں۔ اس سے تمام کے تمام قیدی فوت ہو گئے جن کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔'' (الانوار النعمانیۃ ۳۰۸/۳)

جب ہم کتب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہلاکو خان کا تذکرہ ملتا ہے جس نے بغداد میں مسلمانوں کا اس قدر قتل عام کیا تھا کہ دجلہ میں پانی کی بجائے خون بہنا شروع ہو گیا تھا اور مختلف علوم کی کتابیں بھی اسی قدر کثرت سے دریا برد کی گئی تھیں۔ یہ سب اس کے دو وزیران باتدبیر کے مشوروں ہی کا نتیجہ تھا۔ ان میں سے ایک قیصر الطوسی اور دوسرا محمد بن العلقمی ہے۔ یہ

دونوں عباسی خلیفہ کے وزیر تھے اور دونوں شیعہ تھے۔ ہلاکو خان سے اس کی خفیہ مراسلت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہلاکو خان بغداد میں داخل ہوا اور عباسی خلافت کو انجام تک پہنچایا۔ ان وزیروں کو کارِ حکومت میں کافی پذیرائی حاصل تھی، لیکن انہیں خلافت اس وجہ سے پسند نہیں تھی کہ اس میں اہل سنت کو فروغ مل رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے اختتام کے بعد یہ دونوں ہلاکو خان کی وزیر بن گئے تھے، حالانکہ ہلاکو خان ایک بے دین آدمی تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود امام خمینی؛ علی بن یقطین، طوسی اور علقمی سے خوش ہے اور ان کی کاروائیوں کو دین اسلام کی خدماتِ جلیلہ سے تعبیر کرتا ہے۔ ہم اس بحث کو سید نعمت اللہ الجزائری کے کلام پر ختم کرتے ہیں جس میں اہل سنت کے بارے میں ان کا مؤقف انتہائی جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

''شیعہ امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل سنت کافر ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ ناصبی (سنی) ہونے کی علامت یہ ہے کہ علیؓ کی امامت پر کسی دوسرے کی امامت کو مقدم کیا جائے۔'' (الانوار النعمانیه : ۳۰۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک اہل سنت کافر ہیں، ناپاک ہیں، یہود و نصاری سے بدتر ہیں، کسی بھی عقیدہ یا عمل یا قول میں ان سے موافقت اختیار نہیں کی جا سکتی؛ نہ رب میں، نہ نبی میں اور نہ امام میں۔ صحابہ کرامؓ پر لعنت ملامت ضروری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تعریف فرمائی ہے۔ وہ دعوت و جہاد کے میدانوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔ آخر وہ کون ہے جو میدان ہائے کارزار میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ کفار سے نبرد آزما ہوتا رہا ہے؟ غزوات و سرایا میں حضرات صحابہ کرامؓ کا شرکت فرمانا ہی ان کے ایمان و جہاد کی اتنی بڑی دلیل ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی فقیہہ کی کوئی دلیل بھی قابلِ توجہ نہیں ہے۔

ایران میں جب رضا شاہ پہلوی کا اقتدار ختم ہوا اور زمامِ حکومت امام خمینی کے ہاتھ آگئی تو فقہائے شیعہ کے مطابق ہر شیعی عالم کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ امام خمینی کی زیارت مبارک کے لئے ایران میں حاضر ہو کیونکہ ان کی کوششوں سے عصر حاضر میں شیعہ کی پہلی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ میرا چونکہ امام خمینی سے ذاتی تعلق بھی تھا لہٰذا مجھ پر یہ فرض کچھ زیادہ ہی عائد ہوتا تھا۔ میں پہلے بھی اکثر و بیشتر ڈیڑھ ایک مہینہ میں، امام خمینی کی واپسی کے بعد تہران چکر لگایا کرتا تھا۔ عراق سے شیعہ علماء کا جو وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میری ملاقات اس سے ہٹ کر تھی۔ جب میں ایک خاص مجلس میں امام خمینی کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو سید حسین نے مجھ سے کہا: اب وقت آگیا ہے کہ ائمہ کرام کی وصیتوں کو نافذ کرنے کے لئے ہم نواصب کا خون بہائیں، ان کے بچوں کو قتل کریں، ان کی عورتیں زندہ رہنے دیں، ان کے اموال کو شیعہ کے لئے خاص کریں۔ ہمیں مکہ اور مدینہ کو کرۂ ارض سے ختم کرنا ہے کیونکہ یہ دونوں شہر وہابیوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ اور اب یہ ضروری ہو چکا ہے کہ کربلا کی سرزمین ہی اللہ کی مقدس سرزمین قرار پائے، اور نمازوں کے لئے یہی قبلہ بنایا جائے۔ یہ کام ہم بہت جلد ائمہ کی حکمت عملی سے سرانجام دیں گے کیونکہ جس حکومت کے حصول کی ہم نے سالہا سال تک جدوجہد کی تھی اب وہ مملکت قائم ہو چکی ہے اور جو کام باقی رہ گیا ہے وہ تنفیذ ہے اور بس۔

شیعت پر بیرونی عناصر کے اثرات

اس کتاب کے آغاز سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شیعت کی تاسیس میں عبداللہ بن سبا یہودی نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شیعہ کے عوام خواص غفلت کا شکار ہیں میں نے اس موضوع پر کافی غور و خوض کیا اور کئی سال کے بعد مجھ پر یہ انکشاف

ہوا کہ کئی ایک حضرات شیعہ کے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کا بنیادی کردار رہے ہیں۔ نجف کے عالمی مرکز حوزہ میں میں نے ایک عرصہ تک قیام کیا ہے۔ شیعہ کی یہ ایک معروف دانش گاہ ہے۔ اس دوران شیعہ کی معتبر ترین کتب مصادر تک میری رسائی ہوگئی، جن کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس غلط منہج کے شیعہ داعی ہیں، اس میں کئی مشکوک افراد نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے لیکن شیعہ کی غالب اکثریت ان سے تجاہل عارفانہ کا رویہ رکھتی ہے۔ اہل بیت عظام کے ساتھ اہل کوفہ نے جو سلوک روا رکھا، اس بات کی ایک واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اہل بیت عظام کی طرف داری اور ان سے محبت کے پس پردہ یہ کام سرانجام دیا تھا۔ ہم مثال کے طور پر چند ان افراد کے نام گنا رہے ہیں جنہوں نے تشیع میں در پردہ نقب زنی کی ہے۔

۱۔ ہشام بن حکم:

یہ وہی ہشام ہے جس سے صحاح ثمانیہ وغیرہ میں بعض روایات بھی مروی ہیں۔ امام کاظم کو جیل بھیجنے کا سبب یہی بنا تھا۔ بعد ازاں ہشام نے انہیں وہاں قتل بھی کر دیا۔ رجال الکشی میں لکھا ہے: ''ہشام بن حکم خود بھی گمراہ تھا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا تھا۔ یہ شخص ابوالحسن کے قتل میں شریک تھا۔'' (رجال الکشی: ۲۲۹)

ہشام نے ایک دفعہ ابوالحسن سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا ''میرے خون کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔'' (رجال الکشی: ۲۲۶)

ابوالحسن نے ہشام سے خاموش رہنے کو کہا۔ ہشام ایک مہینہ تک خاموش رہا، پھر ان کے خلاف باتیں کرنے لگا۔ ابوالحسن نے فرمایا: ہشام کیا تجھے کسی مسلمان کے قتل میں شریک ہونا پسند ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا: میرے قتل میں کیوں شریک ہو رہے ہو؟ اگر خاموشی اختیار کرو تو بہتر

ہے، ورنہ تم میرا خون کرو گے۔ لیکن ہشام خاموش نہ رہ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوالحسن انہی کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔ (رجال الکشی: ۲۳۱)

بڑی عجیب بات ہے جو شخص اہل بیت عظام کے ساتھ واقعتاً مخلص ہو کیا وہ اس قدر عظیم امام کے قتل کا سبب بن سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہشام اہل بیت عظام کے ساتھ قطعاً مخلص نہ تھا۔

محمد بن فرج کہتے ہیں میں نے ابوالحسن سے ایک مکتوب کے ذریعے استفسار کیا۔ ہشام بن حکم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے اور ہشام بن سالم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صورت ہے۔ آپ کا ان بارے کیا خیال ہے؟ ابوالحسن نے جواباً لکھا: ''اس حیرانی کو چھوڑیے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگئے کیونکہ دونوں حضرات کی بات درست نہیں ہے۔'' (اصول الکافی: ۱/۱۰۵)

ابراہیم بن محمد اور محمد بن حسین روایت کرتے ہیں: ہم ابوالحسن رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ حکایت بیان کی کہ محمد نے اپنے رب کو تیس سالہ نوجوان کی شکل میں دیکھا تھا، اس کے دونوں پاؤں کوکھ میں تھے۔ ہم نے کہا کہ ہشام بن حکم، صاحب طاق اور میثمی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ناف تک پیٹ ہے اور باقی بے نیاز ہے۔'' (بحار الانوار: ۴/۴)

کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیس سالہ نوجوان کے ہم شکل ہیں یا وہ اپنی ناف تک پیٹ رکھتے ہیں؟ یہ ایک ایسی عبارت ہے جو غالباً یہود سے منتقل ہوئی ہے کیونکہ توریت کے اسفارِ خمسہ میں یہ بات درج ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے جسم والے انسان سے عبارت ہیں۔ اس قسم کے یہودی آثار دراصل ہشام بن حکم کے ذریعے سے تشیع میں داخل ہوئے ہیں۔ یہ شخص امام کاظم کے قتل کا سبب بنا اور بعد میں عملاً اس قتل میں شریک بھی ہوا۔ ہشام

بن سالم ،شیطان طاق اور علی بن اسماعیل بھی تشیع میں ہشام بن حکم کی مانند یہودی آثار کی درآمدی کا ذریعہ ہیں۔

۲۔ زرارہ بن اعین:

شیخ طوسی فرماتے ہیں: ''زرارہ ایک عیسائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دادا سنسن یا سبسن ایک عیسائی راہب تھا اور باپ قبیلہ بنو شیبان کے ایک رومی کا غلام تھا۔'' (الفہرست: ۱۰۴)۔ یہ زرارہ وہی آدمی ہے جس نے ابوعبداللہ سے تشہد کے بارے میں سوال کیا تھا اور جب جانے لگا تو امام موصوف کے منہ پر گوز مار کر گویا ہوا کہ وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائیں گے۔'' (رجال الکشی: ۱۴۲)۔ آپ غور فرمائیں کہ جو شخص امام ابوعبداللہ کے سامنے ہی ان کے قول کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ کیا وہ مخلص ہو سکتا ہے؟ اہل بیت عظام کا محبّ ہونا تو دور کی بات ہے ایسا شخص مسلمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی زرارہ نے کہا تھا: ''اللہ کی قسم! اگر میں وہ سب کچھ بیان کروں جو میں نے ابوعبداللہ سے سنا ہے تو مردوں کے ذکر لکڑی میں گھسنا شروع کر دیں۔'' (رجال الکشی: ۱۳۲)۔ زرارہ کا ابوعبداللہ پر یہ اتہام ہیں کیونکہ اس کے مطابق ابوعبداللہ نے بعض ایسی رسوا کن باتیں بتائی تھیں جس سے انسان میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور ان کی سماعت کے وقت نفس پر ضبط ممکن نہیں رہتا حتی کہ انسان کسی لکڑی سے بھی اپنی خواہش پورا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ابن مسکان روایت کرتے ہیں کہ میں نے زرارہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ جعفر کے باپ پر رحم فرمائے، لیکن جو جعفر تھا میرا دل اس کے بارہ میں واللہ صاف نہیں ہے۔ میں نے پوچھا زرارہ نے یہ بات کیوں کہی؟ کہا: ابوعبداللہ نے اس کو نکال دیا تھا کیونکہ یہ ان کو رسوا کرنے

پر تلا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوعبداللہ نے زرارہ کے خلاف لعنت کی بددعا کی تھی۔ ''اللہ! جہنم اگر سکرجہ (برتن) جتنا چھوٹا سا برتن بھی ہوتا تو اعین بن سنن کی اولاد اس کو کشادہ کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ برید پر لعنت فرما۔ اللہ زرارہ پر لعنت بھیج۔ فرمایا: زرارہ جب سے مرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رہی ہے۔'' (ص: ۱۳۴)۔ ابوعبداللہ نے فرمایا: زرارہ بن اعین ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثوراً'' (الفرقان: ۲۳)۔

''ہم ان کے اعمال کی طرف آئے اور انہیں اڑتا ہوا خس و خاشاک بنا ڈالا۔''

ابوعبداللہ نے فرمایا: بعض لوگ ایمان کو عاریتاً لیتے ہیں اور بعد میں اس کو واپس کر دیتے ہیں۔ زرارہ بن اعین بھی ایسا ہی ہے۔'' (رجال الکشی: ۱۴۱) ابوعبداللہ نے فرمایا: اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت نہ کرنا اور مر جائے تو جنازہ نہ پڑھنا۔'' پوچھا گیا کیا زرارہ کی بات کر رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں، زرارہ یہود و نصاریٰ سے بدتر ہے۔'' فرمایا: زرارہ میری امامت میں شک کرتا ہے حالانکہ امامت مجھے رب سے عطا ہوئی ہے۔ (رجال الکشی: ۱۳۸)۔ شیعہ کے عام علماء اور مفکرین کہتے ہیں کہ زرارہ کے خلاف ابوعبداللہ کے کلام اور طعن کو تقیہ پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن یہ ایک باطل اور مردود تاویل ہے کیونکہ اگر زرارہ کے خلاف ابوعبداللہ کے کلام کو تقیہ پر محمول کیا جائے تو زرارہ نے ابوعبداللہ پر جو طعن کیا ہے وہ تقیہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ دراصل فریقین کی لعن طعن تقیہ نہیں بلکہ قطعیہ ہے کیونکہ ابوعبداللہ، زرارہ کے قبیح اور شنیع افعال سے نالاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مسلسل لعن و بددعا کرتے رہے۔

آپ غور کریں کہ زرارہ عیسائی خاندان کا ایک فرد تھا جس کو ابوعبداللہ کی امامت میں

شک تھا۔ اس نے ابو عبداللہ کے تردید کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ ہم اس شخص سے یہ توقع کیونکر وابستہ کریں کہ وہ دین اسلام کو مقدم رکھتا ہوگا؟ ہماری کتب صحاح زرارہ کے خلاف روایات سے بھری پڑی ہیں۔ صحاح کی رو سے زرارہ وہ شخص ہے جس نے اہل بیت عظام پر جھوٹ باندھے اور اسلام میں اس قدر خرافات داخل کی کہ اس کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبداللہ نے اس پر لعنت فرمائی تھی۔

۳۔ ابو بصیر لیث بن بختری:

ابو بصیر وہ شخص ہے جس نے ابوالحسن موسیٰ کاظم پر جرأت دکھائی تھی اور آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص انجانے میں کسی منکوحہ عورت سے نکاح کر لیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابو الحسن نے کہا کہ اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا اور اس کے نئے شوہر پر کوئی حد نہیں ہوگی کیونکہ اسے معلوم نہیں ہے۔ اس موقع پر ابو بصیر مرادی نے انکے سینے پر ٹھوکر لگائی اور کہا: ''میرا خیال ہے ہمارے امام کا علم ناقص ہے۔'' (رجال الکشی: ۱۰۴)

ایک دفعہ ابن ابو یعفور اور ابو بصیر دنیاداری پر مذاکرہ کر رہے تھے کہ ابو بصیر نے کہا: ''اگر تمہارے امام کو دنیا مل جائے تو وہ اس کو آخرت پر ترجیح دیں گے؟'' اس اثناء میں وہاں ایک کتا آنکلا اور پیشاب کی تیاری کرنے لگا۔ حماد بن عثمان اس کو بھگانے کے لئے اٹھے تو ابن ابی یعفور کہنے لگے کہ کتا نہ بھگاؤ بلکہ اسے ابو بصیر کے کانوں میں پیشاب کرنے دو۔ (رجال الکشی: ۱۰۴)

ابو بصیر نے جب ابو عبداللہ پر یہ اتہام باندھا کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہیں اور اس کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک کتا بھیجا تا کہ وہ ابو بصیر کے کانوں میں پیشاب کر

دے کہ اس نے ابو عبداللہ کے بارے میں یہ کہا۔

حماد ناب سے روایت ہے: ایک دفعہ ابو بصیر اجازت طلب کرنے ابو عبداللہ کے دروازے پر بیٹھا تھا، لیکن انہیں اجازت نہیں مل رہی تھی۔ کہنے لگا: اگر ہمارے ساتھ کھانے کا تھال ہوتا تو یہ اجازت دے دیتے۔ ناگہاں ایک کتا آیا اور ابو بصیر کے منہ پر پیشاب کرنے لگا۔ ابو بصیر کھلبلا اٹھا کہ اوے اوے یہ کیا؟ چونکہ ابو بصیر اندھا تھا لہٰذا اس کے ساتھی نے کہا یہ کتا ہے جو اس کے منہ پر پیشاب کر رہا ہے۔ (رجال الکشی: ۱۰۰)

اس نے ابو عبداللہ پر یہ الزام عائد کیا کہ یہ صرف اسی کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں جس کے پاس لذیذ کھانے کی ڈش ہو۔ لیکن اللہ نے دنیا میں ہی اس کو مزہ چکھانے کے لئے ایک کتا بھیج دیا جو اس کے منہ پر پیشاب کرنے لگا۔

ابو بصیر کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی۔ حتیٰ کہ خود اپنے خلاف وہ ان الفاظ میں گواہی دیتا ہے: ''میں نے فلانی عورت کو قرآن سکھایا اور اس کے ساتھ مذاق کیا۔ وہ ابو جعفر کے پاس شکایت لے آئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ میرا ہاتھ اس کے چہرے پر تھا۔ ابو جعفر نے کہا: ''آئندہ اس کے ساتھ ایسا نہ کرنا۔'' (رجال الکشی: ۱۰۴)

ابو بصیر نے اس عورت کو چھونے کی غرض سے اپنا ہاتھ بڑھایا حالانکہ وہ اس کو قرآن پڑھاتا تھا۔

ابو بصیر کو اختلاط کا مرض تھا۔ محمد بن مسعود کہتے ہیں: میں نے علی بن حسن سے ابو بصیر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: ابو بصیر کی کنیت ابو محمد تھی۔ وہ بنی اسد کا آزاد کردہ غلام تھا اور نابینا تھا۔ میں نے کہا: اس کو غلو کاری کی شکایت تھی؟ فرمایا: وہ غلو تو نہیں کرتا تھا البتہ اس کو

اختلاط کا مرض تھا۔

میں کہتا ہوں کہ شیعہ کی صحاح میں اس سے بے شمار روایات مروی ہیں جو بہت ہی عجیب وغریب ہیں۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس نے دین اسلام میں اپنی جانب سے کیا کچھ داخل کیا ہوگا؟ کیا اس سے مروی عجیب وغریب قسم کی تمام حدیثوں میں اختلاط نہیں پایا جاتا ہوگا؟

۴۔ علمائے طبرستان:

طبرستان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے خود کو عالم باور کروایا۔ یہ گروہ بھی تشیع میں فتنہ پروری اور فساد انگیزی کی غرض سے آ داخل ہوا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ باطنی طور پر کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے کا مدار بہت حد تک اس کے آخری وقت پر ہوتا ہے، اگر وہ اپنے پیچھے اچھے اثرات چھوڑتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے سیرت وکردار، مسلک ومنہج میں بے داغ تھا لیکن اگر اس نے اپنے بعد کوئی اچھا ذہن نہیں چھوڑا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے عقیدہ ومذہب یا اخلاق وکردار میں راہ حق سے منحرف تھا۔ یہی حال علمائے طبرستان کا بھی ہے ان میں سے بعض نے ایسے آثار چھوڑے ہیں جو ان کی شخصیت کو متنازعہ اور مشتبہ بنا دیتے ہیں۔

علمائے طبرستان میں سے تین معروف ترین نام پیش خدمت ہیں۔

۱۔ مرزا حسین بن تقی طبرسی:

یہ صاحب کتاب 'عالم' تھا۔ اس کی کتاب کا نام ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' ہے۔ طبرسی نے اس کتاب میں دو ہزار سے زائد روایات جمع کردی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم ایک تحریف شدہ کتاب ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شیعہ فقہاء و مجتہدین کے اقوال بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب تمام شیعہ کی پیشانی پر رسوائی کا ایک داغ ہے

کیونکہ یہود ونصاری بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم ایک تحریف شدہ کتاب ہے۔ کیونکہ پھر طبرسی کے کلام اور یہود ونصاری کے کلام میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ کیا کوئی ایسا مسلمان جو اپنے اسلام میں مخلص ہو، اس بات کو گوارا بھی کرسکتا ہے کہ وہ کتاب تحریف وتبدیلی کا شکار ہوسکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو اور اس کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لی ہو؟ کیا کوئی مخلص مسلمان یہ بات کہنے کا روادار ہوسکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ طبرسی ایک مشکوک شخص تھا۔

۲۔ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی:

یہ بھی ایک صاحب کتاب 'عالم' تھا۔ اس کی کتاب کا نام ہے ''الاحتجاج''۔ اس نے بھی اپنی کتاب میں وہ روایات درج کی ہیں جو تحریفِ قرآن کے اثبات میں بالکل صریح ہیں۔ کتاب میں ایسی روایات بھی درج ہیں جن کا لب لباب یہ ہے کہ امیر المؤمنین علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے مابین تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ یہی وہ روایات ہیں جو امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا بنیادی سبب ہیں۔ جو شخص بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا وہ جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ مصنف کوئی سلیم النیت آدمی نہیں ہے۔

۳۔ فضل بن حسن طبرسی:

اس نے تفسیر لکھی ہے جس کا نام ہے 'مجمع البیان فی تفسیر القرآن'۔ اس تفسیر میں مصنف نے تکلف سے کام لے کر باطل تاویلات کے سہارے مغالطے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تفسیر معروف اور متعدد قواعدِ تفسیر کے خلاف ہے۔ طبرستان کا علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خزر سے متصل ہے اور خزر (کیسپین) پر یہودی آباد ہیں۔ ہمارے خیال میں مذکورہ طبرسی علماء دراصل یہودی ہیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر تشیع میں شامل ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں دین

اسلام پر بہت زیادہ طعنہ زنی کی گئی ہے اور اگر ہم 'فصل الخطاب' کا مستشرقین کی کتابوں سے موازنہ کریں تو دین اسلام پر انگشت نمائی میں 'فصل الخطاب' سبقت لے جائے گی۔ دیگر طبری علماء کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔

ایک دفعہ نجف کے علمی مرکز حوزہ کا ایک استاد فوت ہوگیا، وہ سید تھا۔ میں نے رضائے الٰہی کی نیت سے اس کو غسل دیا۔ اس کا بیٹا بھی میرے ساتھ تھا۔ غسل کے دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ اس سید صاحب کا ختنہ نہیں ہوا تھا۔ اب میں اس سید صاحب کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ اس کے بیٹوں کو اس بات کا علم ہے کہ ان کے باپ کو میں نے ہی غسل دیا تھا۔ لہٰذا مجھے ان سے خطرہ ہے۔ نجف کے مرکز حوزہ میں بعض ایسے 'سیدزادگان' ہیں جن کی شخصیات کے بارے میں مجھے تحفظات ہیں۔ میں انہیں مشکوک سمجھتا ہوں اور میں ایک عرصہ تک ان کی حقیقت معلوم کرنے کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔ شیعت میں بیرونی عناصر کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ شیعہ کی بعض اہم ترین مصادر اور معتبر ترین مصادر کی کتابوں میں بھی ان عناصر کے در پردہ وہ موضوعات شامل کر دیئے ہیں جو فی الحقیقت ان کتابوں کا حصہ نہیں تھے۔ یہ اضافہ جات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے چند نمونے مثال کے طور پر قارئین کرام کے پیش خدمت ہیں:۔

(۱) الکافی: شیعہ کے نزدیک متفقہ طور پر 'الکافی' سب سے معتبر کتاب ہے کیونکہ اس کو بارھویں امام معصوم کی توثیق حاصل ہے۔ کتاب کے مصنف **کلینی** نے ترتیب کے بعد کتاب کو جب امام کی خدمت میں پیش کیا تو اس وقت بارھویں امام نے فرمایا تھا: ''الکافی شیعہ کو کافی ہے۔'' (مقدمہ الکافی: ۲۵) محقق عباس قمی کا کہنا ہے: ''الکافی کتب اسلامیہ میں سے اجل ترین اور

مصنفات امامیہ میں سے عظیم ترین کتاب ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔'' (الکشی: ۹۷/۳)

الکافی پر اس قدر جامع تبصرے کے بعد ذرا یہ بھی پڑھیۓ جو خوانساری کہتے ہیں۔ 'الکافی' کے مجموعہ ابواب میں کتاب الروضہ بارے اختلاف ہے کہ آیا یہ **کلینی** کا تصنیف کردہ ہی کتاب ہے یا اس کو بعد میں الکافی پر اضافہ کے طور پر لکھا گیا ہے۔ (روضات الجنات: ۱۱۸/۶)

حسین بن سید حیدر کرکی کی وفات سن ۱۰۷۶ ہجری کی ہے۔ ان کا کہنا ہے ''الکافی میں کل پچاس کتابیں پائی جاتی ہیں۔ ہر کتاب کی تمام احادیث سند کے ساتھ ائمہ کرام سے متصل بیان ہوئی ہیں۔'' (روضات الجنات: ۱۱۴/۶) ابو جعفر طوسی کی وفات سن ۴۶۰ ہجری کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''الکافی کل تیس کتابوں پر مشتمل ہے۔'' (الفہرست: ۱۲۱)

مذکورہ بالا دو اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری تک الکافی پر بیس کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور ہر کتاب میں کئی ابواب پائے جاتے ہیں۔ اصول الکافی پر صرف حجم میں چالیس فیصد کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جبکہ روایات کی تبدیلی، الفاظ کا تغیر، فقروں کا حذف، جملوں کا اضافہ وغیرہ جیسی 'خدمات' اس کے علاوہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے الکافی پر بیس کتابوں کا اضافہ کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ کام کرنے والا بڑا ہی نیک نیت شخص ہوگا؟ کیا وہ ایک ہی شخص تھا جس نے یکبارگی یہ کام کیا؟ یا مختلف ادوار میں مختلف اشخاص کے ہاتھوں یہ حذف و زیادت اور تغیر و تبدل رونما ہوتا رہا؟ اس پر مستزاد یہ ہے کہ کیا اس سب کے باوجود الکافی کو امام معصوم سے سند توثیق حاصل ہے؟ امام بھی ایسا جس سے غلطی کا صدور ہوتا ہے نہ خطا کا ظہور! کیا یہ توثیق بھی خطا سے مبرا ہی قرار دی جائے گی؟

(۲) تہذیب الاحکام:

الکافی کے بعد 'تہذیب الاحکام' کا مقام ہے۔ یہ شیعہ کی صحاح کی پہلی چار کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کے مصنف شیخ طوسی تھے۔ جنہوں نے نجف کے حوزہ کی بنیاد رکھی تھی۔ عصر حاضر میں شیعہ علماء وفقہاء کا بیان ہے کہ تہذیب الاحکام میں کل (۱۳۵۹۰) احادیث پائی جاتی ہیں۔ لیکن مصنف کتاب نے بذات خود، جیسا کہ عدۃ الاصول میں ہے، کہا ہے کہ اس کتاب میں ۵۰۰۰ سے کچھ زائد احادیث ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس عرصہ میں ۶۰۰۰ حدیثوں کا اضافہ ہوگیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کتاب میں اس قدر اضافہ کس نے کیا ہے اور اضافہ بھی ایسا کہ جو اصل کتاب کی احادیث کی مجموعی تعداد احادیث سے بڑھ کر ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خفیہ ہاتھوں کی کارستانی ہے جو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر خود کو شیعہ باور کراتے ہوئے کی ہے۔ لیکن اسلام ان کی خرافات سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔ جب شیعہ کی دو معتبر ترین کتب مصادر میں حذف واضافہ کا یہ عالم ہے تو باقی ماندہ کتب مصادر کی کیا حالت ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ سید ہاشم الحسینی کا کہنا ہے: ''شیعہ کے قصہ گو خطباء نے بھی اس قدر کثرت سے احادیث وضع کی ہیں جس قدر ائمہ برحق کے مخالفین اور ان کے محبین نے ہر باب میں احادیث وضع کر کے داخل کر دی۔'' (الموضاعات: ۱۶۰، ۲۰۳)

خود شیخ طوسی نے اپنی کتاب 'تہذیب' کے مقدمہ میں لکھا ہے: ''بعض مخلص احباب نے مجھ سے ایسی احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن کو ہمارے اصحاب نے روایت کیا ہے۔ ان میں باہم اس قدر تضاد اور تعارض پایا جاتا ہے کہ جب تک ایک حدیث کے مخالف دوسری حدیث کا انکار نہ کیا جائے متفقہ طور پر بات سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ مخالفین اسی کے بل پر ہمارے مذہب

پر طعن کرتے ہیں۔''

طوسی کے ان خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی کتاب اس قسم کی روایات سے پاک رہے۔ لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس میں تحریف وتبدیل کردیا گیا۔ برصغیر کے سفر کے دوران سید دلدار علی نے مجھے اپنی کتاب 'اساس الاصول' کا ایک نسخہ ہدیہ کے طور پر عنایت کیا۔ اس کے صفحہ نمبر ۵۱ پر لکھا ہے: ''آئمہ سے منقول احادیث میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے حتیٰ کہ کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے متعارض کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو۔''

یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے شیعہ مذہب سے تائب ہو کر ایک جم غفیر اہل سنت میں آداخل ہوا ہے۔ اگر ہم شیعہ کا صرف ایک مسئلہ، تحریف قرآن پر ہی غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ شیعہ کی سب سے پہلی کتاب، سلیم بن قیس ہلالی کی ہے۔ ہلالی نے سن ۹۰ ہجری میں وفات پائی۔ اس کتاب میں تحریف قرآن سے متعلق صرف دو روایتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جب ہم مابعد کی معتبر شیعہ کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ ان میں تحریف قرآن کے ثبوت میں روایتوں کی بھرمار ہے۔ حتیٰ کہ طبرسی نے اپنی کتاب 'فصل الخطاب' میں صرف تحریف قرآن کے اثبات پر ہی دو ہزار روایات جمع کردی ہیں۔ اگر دو سے دو ہزار روایتیں بن گئی ہیں تو ان کو کس نے وضع کیا ہے؟ صحاح کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں سلیم بن قیس کی کتاب کے مابعد زمانے میں وضع کی گئی ہیں۔ اور یہ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کی بات ہے۔ حتیٰ کہ صدوق (ت ۳۸۱ھ) نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے: ''تحریف قرآن سے متعلقہ جو روایات بھی شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، وہ تمام کی تمام جھوٹی ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ صدوق نے کبھی ایسی روایات سنی ہی نہ تھیں، اور اگر یہ روایات فی الحقیقت

کہیں موجود ہوتیں تو صدوق کو ان کا لازماً علم ہوتا یا انہوں نے یہ روایات ضرور سن رکھی ہوتیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔صدوق کی مانند طوسی نے بھی اس کا انکار کیا ہے کہ تحریف قرآن سے متعلقہ روایات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ان کا کہنا ہے:۔

''جہاں تک سلیم بن قیس کی کتاب کا تعلق ہے تو یہ ان پر افتراء ہے اس کو ابان بن ابو عیاش نے لکھا تھا اور بعد میں سلیم بن قیس کی جانب منسوب کردیا۔''(ابتان فی تفسیر القرآن)

ابان کے بارے میں اردبلی اور الحسنی کا کہنا ہے:''یہ بہت زیادہ ضعیف شخص ہے جس کے بارے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ سلیم بن قیس کی کتاب دراصل ابان ہی کی وضع کردہ ہے۔''

(الحسنی: ۲۰۶، جامع الرواۃ: ۱/ ۹)

دراصل فاطمی دور حکومت کے ساتھ ہی وضع حدیث کا سلسلہ چل نکلا تھا اور لوگوں نے بکثرت وضع کردہ روایتوں کو امام صادق وغیرہ کی جانب منسوب کرنا شروع کردیا۔اس مفصل بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو کتابیں معروف شیعہ علماء کی جانب منسوب ہیں وہ بھی غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ اسلام کے دشمنوں نے اس میں بہت کچھ ملا دیا ہے۔اس سے کتابوں کی جو حالت ہوگئی ہے اس کو آپ دیکھ چکے ہیں۔

بارہویں امام کی حقیقت

اب ہم چاہتے ہیں کہ شیعت پر بیرونی عناصر کے اثرات کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کریں۔یہ مسئلہ بارہویں امام کے بارے میں ہے، جو انتہائی اہم ہے۔ہمارے ایک فاضل دوست سید احمد الکاتب نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے کہ شیعہ کے بارہویں امام کا نہ

کوئی وجود ہے اور نہ ہی حقیقت !اس موضوع پر فاضل مصنف کی نگارشات ہی کافی ہیں۔لیکن میں کہتا ہوں کہ بارہویں امام کا وجود کس طرح مانا جا سکتا ہے۔کہ شیعہ کے گیارہوں امام حسن عسکری فوت ہوئے تو ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔اور نہ ہی ان کی وفات کے وقت انکی کوئی بیوی یا لونڈی حاملہ تھی۔جب حسن عسکری کی اولاد ہی نہ تھی تو بارہویں امام کا وجود کیسے تسلیم کرلیا جائے؟

(الغیبۃ للطوسی:۷۴، الارشاد للمفید:۳۰۴) ۔فاضل مصنف نے بارہویں امام کی نیابت کے مسئلہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ دجلہ کی ایک قوم نے ان کی نیابت کا دعوی کیا تھا تاکہ خمس، عطیات اور نیاز کے مال پر قابض ہوسکیں۔بہر حال ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ بارہویں امام جو القائم اور المنتظر کے لقب سے معروف ہیں وہ اپنے ظہور کے وقت کیا کریں گے؟

۱۔عرب پر تلوار زنی کرنا:

مجلسی روایت کرتا ہے:''امام منتظر عربوں میں جفر احمر کو لے کر چلیں گے۔امام منتظر ان کی موت ہیں۔''(بحار الانوار:۵۲/ ۳۱۸) ''ہمارے اور عربوں کے مابین اب صرف ذبح باقی رہ گیا ہے۔''(بحار الانوار: ۵۳/ ۳۴۹) ''عربوں سے بچو کیونکہ ان کے لئے بدخبری ہے۔سنو امام منتظر کے ساتھ عربوں میں سے کوئی بھی نہیں نکلے گا۔''(بحار الانوار: ۵۳/ ۳۳۳۸)

میں کہتا ہوں کہ شیعہ کی اکثریت اپنی اصل میں عربی النسل ہیں۔کیا امام منتظر ان پر تلوار زنی کرکے قتل کریں گے؟

۲۔مسجد حرام اور مسجد نبوی کو گرانا:

مجلسی کہتا ہے:''امام منتظر مسجد حرام اور مسجد نبوی کو گرائیں گے اور ان کو اصل جگہ پر لے

جائیں گے۔" (بحار الانوار: ۳۳۸/۵۳)

مجلسی وضاحت کرتا ہے: "امام منتظر پہلا کام یہ کریں گے کہ ابوبکر وعمر کی تروتازہ جھاڑی (نعشیں) نکال کر ہوا کی نذر کردیں گے اور مسجد کو گرادیں گے۔" (بحار الانوار: ۳۸۶/۵۲)

شیعہ میں یہ بات معروف ہے، فقہاء ومجتہدین کے ہاں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خانہ کعبہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور کربلا، خانہ کعبہ سے افضل اور بہتر ہے۔ فقہائے شیعہ کے اقوال کے مطابق کربلا کرۂ ارض کا بہترین حصہ ہے اور یہی وہ مقدس سرزمین ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور بابرکت ہے۔ کربلا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حرم ہے۔ یہ اسلام کا قبلہ ہے۔ اس کی مٹی میں شفاء ہے۔ زمین کا کوئی خطہ حتی کہ کعبہ بھی اس کے برابر نہیں ہے۔ ہمارے ایک استاد تھے سید محمد حسین آل کاشف۔ وہ ہمیشہ اس شعر سے کعبہ وکربلا کا موازنہ کیا کرتے تھے۔

"اگر کربلا وکعبہ کی بات ہے تو کربلا مقام ومرتبہ میں کعبہ سے بلند وبالا ہے۔"

ایک نے کہا: "سرزمین کربلا طواف کی جگہ ہے، اس کے سات چکر لگا۔ مکہ کے طواف کی کوئی حیثیت نہیں۔"

۳۔ آل داؤد کا قانون نافذ کرنا:

کلینی نے اس بارے میں ایک باب قائم کیا ہے کہ جب ائمہ کرام کا ظہور ہوجائے گا تو وہ آل داؤد کا قانون نافذ کریں گے اور کسی بھی گواہی کا سوال نہیں کریں گے۔ کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے: "جب امام منتظر کا قیام ہوگا تو وہ سلیمان وداؤد کے قانون کے مطابق فیصلے کریں گے اور کسی بھی دلیل یا گواہی کا سوال نہیں کریں گے۔" (الاصول الکافی: ۳۹۷/۱)

علی کہتا ہے: "امام منتظر ایک نئی کتاب، نیا قانون اور نیا فیصلہ لائیں گے۔" (غیبۃ النعمانی: ۱۵۴) ابوعبداللہ کا فرمانا ہے: "میں امام منتظر کو چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہیں اور لوگوں سے نئی کتاب کی بیعت لے رہے ہیں۔" (البحار: ۱۳۵/۲)

ہم اس روایت پر بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مجلسی نے روایت کیا ہے:

"اگر لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ امام منتظر اپنے ظہور کے وقت کیا کریں گے تو ان کی اکثریت یہ خواہش کرے گی کہ کاش! وہ امام کے قتل عام کو نہ دیکھ پائیں۔ حتی کہ لوگ یہ تک کہہ دیں گے کہ امام منتظر، اہل بیت میں سے نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ اہل بیت سے ہوتے تو رحم کرتے۔" (البحار الانوار: ۳۵۳/۵۲)

میں نے ایک دفعہ سید الصدر سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ مقتولین کی اکثریت کا تعلق مسلمانوں سے ہوگا۔ انہوں نے مجھے اپنی کتاب "تاریخ بعد ما ظہور" کا ایک نسخہ عطیہ کیا جس پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے "الاهداء" بھی رقم کیا۔ اس کتاب میں یہ بات صراحت سے لکھی ہوئی تھی کہ امام منتظر کی تلوار، مسلمانوں (اہل بیت) کا خون بکثرت بہائے گی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان روایات پر اپنی تعلیق کا ذکر کریں۔

۱) امام منتظر عربوں پر تلوار زنی کیوں کریں گے؟ کیا رسول اللہ ﷺ عربی نہیں تھے؟

۲) کیا امیر المؤمنین اور ان کی آلِ پاک عربی نہ تھے؟

۳) کیا امام منتظر، بذات خود عربی نہیں تھے، حالانکہ وہ امیر المؤمنین کی اولاد میں سے ہوں گے؟

(۴) کیا عربوں میں سے کوئی بھی اس غارت سے محفوظ نہیں رہے گا؟

(۵) جب یہ قتال عربوں کے خلاف ہی خاص ہے تو یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ کوئی ایک عرب بھی امام منتظر کا ساتھ نہیں دے گا؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کو گرا سکیں گے؟

حالانکہ قرآن کریم میں یہ بات موجود ہے کہ خانہ کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ اور پشت زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر یہی ہے۔ اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور خود جناب علیؓ نے بھی اس میں نمازیں پڑھیں ہیں حتی کہ ائمہ کے بعد بھی بلکہ امام صادق عرصہ دراز تک یہاں قیام پذیر رہے ہیں۔ شائد پہلے پہل میرا خیال یہ تھا کہ امام منتظر مسجد حرام کو گرانے کے بعد اس حالت میں دوبارہ تعمیر کریں گے جس پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قائم تھا۔ لیکن بعد میں مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیں گے۔ کیونکہ شیعہ عقائد کے مطابق نماز کا قبلہ عنقریب، کوفہ کی جانب تبدیل کر دیا جائے گا۔

فیض کاشانی روایت کرتا ہے:

''اہل کوفہ! اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت تم کو دی ہے، وہ کسی اور کو نہیں دی۔ اس نے آدم، نوح، ادریس اور ابراہیمؑ کے گھر کو تمہاری جائے نماز بنایا ہے اور ایک دن آنے والا ہے کہ جب حجر اسود کو بھی یہاں نصب کر دیا جائے گا۔ (الوافی: ۱/۲۱۵)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کا مکہ سے کوفہ منتقل ہونا اور انبیاء کے گھروں کا جائے نماز بنایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ خانہ کعبہ کے انہدام کے بعد کوفہ کو نمازوں کا قبلہ بنا لیا جائے گا۔ کیونکہ انہدام کعبہ کے بعد اس کو قبل از توسیع کی حالت پر تعمیر کرنے کا نہ کوئی مطلب ہے

اور نہ ہی فائدہ۔ لہٰذا انہدام قبلہ کا واحد مقصد، روایاتِ شیعہ کے مطابق، مکہ کی بجائے حجر اسود کے منتقل کرنے سے، کوفہ کو قبلہ میں تبدیل کرنا ہے۔ قبل ازاں ہم فقہائے شیعہ کے اقوال کا مطالعہ کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ چونکہ کوئی خاطر خواہ اہمیت نہیں رکھتا لہٰذا اس کا انہدام ضروری ہے۔

ہم دوبارہ اپنے سوالات دہرانا چاہتے ہیں کہ: وہ کون سا جدید قانون ہے جس کو امام منتظر نافذ کریں گے؟ اور کتابِ جدید کا کیا مطلب ہے اور قضائے جدید کسے کہتے ہیں؟ اگر نئے قانون سے مراد آل محمد ﷺ کی حکومت کا نفاذ ہے تو یہ تو کوئی نیا قانون نہ ہوا۔ اور اگر کتاب جدید سے مراد ان پوشیدہ کتابوں کا ظہور ہے جو ائمہ کرام کے پاس ہیں تو بھی یہ کتاب جدید نہ ہوئی؟ اگر یہ قانون محمد ﷺ کے قانون کے علاوہ کوئی قانون ہے، اور یہ کتاب اہل بیت کی مروجہ کتابوں کے علاوہ کوئی کتاب ہے، اور یہ فیصلہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے فیصلوں کے علاوہ کوئی فیصلہ ہے تو پھر واقعی یہ قانون، قانون جدید کہلوانے کا مستحق ہے۔ اور حقیقتاً اس کتاب کو کتابِ جدید ہی کا نام دیا جانا چاہئے اور ایسے فیصلے کو قضائے جدید ہی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات شیعہ علماء کہہ چکے ہیں کہ امام منتظر آل داؤد کا سا فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ جب وہ پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب یا پہلی شریعتوں میں سے کسی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے تو یہ واقعی اس میں جدت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ روایات میں لکھا ہے: ''گویا میں چشم تصور سے انہیں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے مابین کھڑے ہو کر لوگوں سے ایک نئی کتاب کی بیعت لیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔''

اس کے بعد یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ ان روایات کا کیا کیا جائے جن میں امام منتظر کے قتل عام کی بابت روایت کیا گیا ہے کہ لوگ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اس خون ریزی اور

غارت گری کو نہ دیکھ سکتے۔ رحمت وشفقت سے عاری ایک شخص کی یہ ایک نہایت گھناؤنی تصویر ہے۔ حتی کہ اکثر لوگ یہ کہہ اٹھیں گے کہ اس کا آل محمد ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے، ورنہ یہ لوگوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتا۔ سوال یہ ہے کہ امام منتظر اپنی تلوار کے ساتھ کن کا خون بہائیں گے؟ سید الصدر کے قول اور دیگر روایات کے مطابق اس تلوار کا شکار ہونے والے بیچارے مسلمان ہوں گے۔ اس تناظر میں امام منتظر کا ظہور مسلمانوں کے لئے عذاب ہے نہ کہ رحمت۔ اور انہیں یہ کہنے کا بھی حق حاصل ہے کہ امام کا آل محمد ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اہل بیت عظام مسلمانوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں اور اگر امام منتظر ان پر رحم وکرم نہ کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اہل بیت عظام میں سے نہیں ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ شیعہ روایات کے مطابق امام منتظر ظلم وجور کے بعد اہل زمین پر عدل وانصاف کا بول بالا کریں گے۔ لیکن اگر وہ دس میں سے نو افراد کو قتل کر دیں گے اور وہ بھی مسلمانوں کے افراد تو یہ کیسا عدل ہے۔ اس قدر وسیع پیمانے پر تاریخ انسانی میں کسی شخص نے بھی قتل عام نہیں کیا۔

ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام منتظر کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ وجود۔ تاہم جو شخص آل داؤد کی حکومت قائم کرے گا، عرب مسلمانوں کا بہیمانہ قتل عام کرے گا، مسجد حرام اور مسجد نبوی کو منہدم کرے گا، حجر اسود کو اکھاڑ جائے گا اور ایک کتاب جدید، قضائے جدید اور قانون جدید کو لے کر آئے گا نہ جانے یہ شخص کون ہے اور نہ جانے اس کے تعارف کا مقصد کیا ہے؟ شیعہ مذہب میں امام منتظر کا دوسرا لقب القائم ہے۔ عرصہ دراز کی تعلیم اور مدت مدید کی تحقیق کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ القائم کا لقب یا تو بنی اسرائیل کی حکومت کے قیام سے عبارت ہے یا دجال مسیح کی آمد سے، کیونکہ باوثوق ذرائع سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ شیعہ کے گیارہویں امام،

حسن عسکری کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جب اس کی حقیقت یہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہویں امام کا تصور کہاں سے آ گیا؟ ابوعبداللہ سے مروی ہے حالانکہ وہ اس قول سے بری ہیں: ''ہماری حکومت میں اہل سنت کا کوئی حصہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارے امام کے قیام پر ان کا خون ہمارے لئے مباح کر دے گا۔'' (البحار الانوار: ۵۲/۳۷۶)

آخر یہ آل داؤد کا حکم کیا ہے؟ کیا یہ شیعی دعوت میں یہودی اصول کی جانب اشارہ نہیں ہے؟ کیونکہ اسرائیلی حکومت میں آل داؤد کے حکم کو بنیادی اہمیت دی جائے گی اور یہ حکومت جب قائم ہوگی تو عرب بالخصوص مسلمانوں کے خلاف فیصلے کرنا اور مسلمانوں کا قتل عام کرنا اس کی منصوبہ بندی ہوگی۔ مسلمانوں کے قبلہ کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دینا ان کا بنیادی ہدف ہے۔ علاوہ ازیں یہودی مسجد نبوی کو ختم کر کے مدینہ میں واپس جانا چاہتے ہیں جہاں سے ان کو نکالا تھا۔ اور جب یہ ریاست قائم ہو جائے گی تو قرآن کریم کی بجائے ایک کتاب جدید، قضائے جدید اور امر جدید کی پیروی کی جائے گی۔ اس صورت حال میں کسی بھی قسم کی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی کیونکہ دلیل کا مطالبہ کرنا مسلمانوں کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس یہودی عنصر کی وجہ سے ظلم وبربریت کا دور دورہ ہوگا۔

یہ بھی ایک دلچسپ انکشاف ہے کہ شیعہ حضرات بارہ اماموں کے قائل ہیں اور یہی عمل مقصود بذات ہے۔ بنی اسرائیل کے بھی بارہ سردار تھے۔ انہوں نے اپنا نام الاثنی عشریہ رکھا ہے تا کہ اس تعداد سے خیر وبرکت حاصل ہو سکے۔ یہودی جبرائیل امین سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف قرآن مجید میں بیان کیا ہے اور شیعہ حضرات بھی جبرائیل امین کو خائن کہتے ہیں کیونکہ اس کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جناب علیؓ پر وحی لے کر جائے لیکن وہ بجائے علیؓ کے محمد

ﷺ کے پاس آ گیا۔ لہٰذا اس نے وحی میں خیانت کی ہے۔ یاد رہے کہ خیانت جبرائیل کا مؤقف شیعہ فرقوں میں سے غرابیہ اور کیسانیہ کا ہے۔ قرآن حکیم میں یہود کے بارے میں آیا ہے:

”قل من کان عدو الجبرئیل فانه نزله علی قلبک باذن الله“ (البقرة : ۹۷، ۹۸)

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کفر سے متصف کیا ہے جو جبرائیل کا دشمن ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ جو جبرائیل سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے۔

تشیع کو امت اسلامیہ سے منحرف کرنے میں ایک بہت بڑا بیرونی اثر یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک نماز جمعہ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ امام معصوم کے علاوہ کسی اور کی اقتداء میں جمعہ پڑھنا ناجائز ہے۔ اگرچہ اب متاخرین نے یہ فتویٰ بھی دے دیا ہے کہ حسینی امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ الحمدللہ یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ میں نے اس کام کے آغاز میں کافی قدوکاوش کا مظاہرہ کیا تھا، جس کے اجر کی میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ہزار سال کے اس عرصہ میں شیعہ نسل پر نماز جمعہ کو حرام قرار دینے کا سبب کون ہے؟ آخر یہ کونسا خفیہ ہاتھ ہے جو اقامت جمعہ کے وجوب پر وارد ہونے والی آیات قرآنیہ کے باوجود اپنی صفائی سے شیعہ پر اس کو حرام کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔

آخری بات

قافلہ حق کے المناک سفر کے اختتام پر مجھ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ کیا اس سب کچھ کے باوجود مجھے اپنے مذہبی منصب پر برقرار رہنا چاہئے؟ کیا اب بھی مجھے مقابر پر عطیات، نیازات اور خمس کے اموال کو جمع کرنے کی سعی کرتے رہنا چاہئے تا کہ میں فاخرانہ سواری پر سفر کر سکوں؟ یا مجھے اس فانی دنیا کی جھوٹی عزت کو ترک کر کے محرمات سے اجتناب کرنا چاہئے اور قبول

حق کا علی الاعلان اقرار کرنا چاہئے کیونکہ حق پر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔ حالانکہ میں اس بات کو پہچان گیا ہوں کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جس نے تشیع کی بنیاد رکھی تھی۔ اس نے مسلمانوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے ان میں تفریق ڈال دی جبکہ اس سے قبل مسلمان ایمان اور محبت کی بناء پر متحد تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کوفہ میں میرے اجداد نے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا تھا اور ہماری کتابوں میں ائمہ کرام کو کس قدر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے اور اہل بیت کو شیعان علی کی جانب سے کس انداز میں پریشان کیا گیا؟ شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے امیر المومنین کا ایک ہی فرمان کافی ہے۔

”اگر میں شیعہ کا کوئی وصف بیان کروں تو فقط یہ ہے کہ وہ باتیں کرنے والے ہیں۔ اگر میں ان کو کسی آزمائش میں ڈالوں تو وہ مرتد ہو جائیں گے۔ اور اگر قربانی دینے والوں کو پرکھنا چاہوں تو وہ ہزار میں سے ایک ہوگا“ (الکافی : ۳۳۸/۸)

اب مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن حکیم کو تبدیل کرنے میں کوئی بھی ہاتھ قدرت نہیں رکھتا کیونکہ اس نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ لیکن ہمارے فقہائے شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم تحریف شدہ کتاب ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے فرمان کو جھٹلاتے ہیں۔

میں ان میں سے کس کی بات کی تصدیق کروں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان کی یا فقہائے شیعہ کے اقوال کی؟ میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ متعہ حرام ہے لیکن فقہائے شیعہ نے اس کو جائز کر رکھا ہے۔ بلکہ انہوں نے نوجوان لڑکوں سے لواطت کو بھی مباح قرار دے دیا ہے۔ یہ بات بھی میرے علم میں آ چکی ہے کہ امام منتظر کے ظہور تک شیعہ عوام پر اپنے فقہاء و مجتہدین کو خمس دینا فرض

نہیں ہے بلکہ خمس ادا کرنا مباح ہے۔ لیکن فقہاء ومجتہدین نے اپنے ذاتی مفاد اور شخصی منفعت کے لئے شیعہ عوام پر انہیں خمس دینا فرض کردیا ہے۔ مجھے تشیع کی تاسیس میں خفیہ ہاتھوں کی کارستانی بھی معلوم ہو چکی ہے اور میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ انہوں نے کس کس طریقے سے 'تشیع' میں کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ اس سب کے بعد آخر کس وجہ سے میں شیعت پر قائم ہوں!

محمد بن سلیمان اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوعبداللہ سے سوال کیا: ''ہمارا ایسا نام رکھا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ دی ہے اور ہمارے دل اس کو سن سن کر بے سکون ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارے خون میں ان کے لئے کیا ہیں۔ یہ لقب ان کے فقہاء نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے۔ ابوعبداللہ فرمانے لگے: الرافضہ! اللہ کی قسم یہ لقب ان کے فقہاء نے نہیں بلکہ اللہ نے تم کو دیا ہے'' (الکافی: ۵/۳۳)

جب ابوعبداللہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ شیعہ کو اللہ تعالیٰ نے روافض کا نام دیا ہے تو مجھے کون سی شے ان کے ساتھ رہنے پر اکساتی ؟

فضل بن عمر سے روایت ہے کہ ابوعبداللہ نے فرمایا: ''جب ہمارے امام منتظر کا قیام عمل میں آئے گا تو وہ سب سے پہلے جھوٹے شیعہ کو قتل کریں گے۔'' (رجال الکشی: ۲۵۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام منتظر سب سے پہلے جھوٹے شیعہ ہی کو کیوں قتل کریں گے؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ شیعہ میں یہ قباحت پائی جاتی ہے کہ انہوں نے افتراء پردازی کرتے ہوئے قرب الٰہی کی غرض سے متعہ اور لواطت کی اباحت اور خمس اموال کے اخراج کو اپنا دین بنالیا ہے۔ شیعہ کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم میں تحریف ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے ہو چکنے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے اور یہ کہ ائمہ کرام کا قربِ قیامت ظہور ہوگا۔ شیعہ مذہب کے یہ وہ

مسلمہ عقائد ہیں جن پر فقہاء ومجتہدین کا ایمان ہے۔ ابوعبداللہ سے روایت ہے:

''جو شخص خود کو مذہب شیعہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس پر وہ تمام آیات صادق آتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں نازل فرمائی ہیں۔ (رجال الکشی: ۲۵۳)

میں قربان جاؤں! ابوعبداللہ نے واقعی سچ فرمایا ہے۔ جب منافقین کے بارے میں نازل ہونے والی تمام کی تمام آیات خود کو شیعہ کی جانب منسوب کرنے والے پر منطبق ہوتی ہیں تو میرے لئے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس مذہب پر برقرار رہ سکوں؟ کیا اس کے باوجود بھی یہ بات درست ہے کہ شیعہ واقعی اہل بیت عظام کے مذہب پر ہے؟ کیا اہل بیت عظام کے ساتھ ان کی محبت کا دعویٰ صحیح ہے؟؟

اب مجھے میرے ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب مل چکا ہے جن کے بارے میں، میں کافی پریشان تھا۔ ان تمام حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد، مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ میں ایک شیعہ گھرانے میں کیوں پیدا ہوا اور میرے آباواجداد اور اعزہ واقارب نے شیعہ مذہب کیونکر اختیار کیا تھا؟ مجھے پتہ چلا کہ میرا خاندان اہل سنت کے مذہب پر تھا لیکن قریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ایران سے بعض شیعہ مبلغین عراق کے جنوب میں آوارد ہوئے، جنہوں نے قبائلی عمائدین کو ان کی کم علمی اور اخلاص قلبی کی بنا پر دھوکہ دہی سے اپنے ساتھ ملایا اور یہ لوگ منہج شیعہ کو اختیار کر گئے۔ عراق میں ایسے خاندان ایک کثیر تعداد میں آباد ہیں جو مذہب اہل سنت کو خیرباد کہہ کر شیعہ بن گئے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں علمی امانت کی ادائیگی کرتے ہوئے ان میں سے بعض خاندانوں کے نام شمار کردوں۔ ان میں ربیعہ اور بنوتمیم ہیں۔ بنوتمیم کی شاخ میں سے خزائن، زبیدات اور عمیر ہیں۔ آل محمد، خزرج، دفافعہ، شمعطوکہ، یہ عمارہ قبائل میں سے ہیں اور دیوائی

خاندانوں میں سے آل اقرع، آل بدیر، عفج، جبور، جلیحہ، کعب اور بنولام کے قبائل زیادہ مشہور ہیں۔

یہ تمام کے تمام قبائل اصلاً عراقی ہیں جو اپنی شجاعت، سخاوت اور لڑائی میں معروف ہیں۔ یہ خاندان کافی اثر ورسوخ رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل ایران سے آنے والے شیعہ مبلغین کی دعوت پر انہوں نے شیعہ مذہب قبول کیا، جنہوں نے ان پر قبضہ پا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ میں ایک بات بھول ہی گیا کہ یہ بہادر قبائل اپنے زعم تشیع میں اس بات کے منتظر ہیں کہ وہ امام قائم کے ساتھ مل کر قتال کریں گے کیونکہ شیعہ عقائد کے مطابق بارہویں امام، ان شریر ترین عربوں کو قتل کردیں گے جو خود کو امام کے پیرو سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ درحقیقت وہ امام منتظر کے پیروکار نہ ہوں گے۔ اس کی وضاحت ہماری کتاب 'معاشر شیعہ' میں موجود ہے۔ بہرحال یہ شیعہ خاندان اس انتظار میں ہیں کہ امام قائم کی تلوار سے یہ بھی مقابلہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے یہ وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو حق کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ گواہ رہو کہ میں نے یہ حق لوگوں کے لئے بیان کردیا ہے۔ میں نے غافلوں کو متنبہ کیا اور سوئے ہوؤں کو جگا دیا ہے۔ میں ان قبائل کو بھی دعوت دوں گا کہ وہ اپنے اصل مذہب کی جانب پلٹ آئیں اور وہ صاحبانِ جبہ و دستار کے زیر اثر نہ رہیں جو خمس اور نیاز کے نام پر ان کا مال ہتھیاتے ہیں اور متعہ کے نام پر ان کی عورتوں کی عصمت پامال کرتے ہیں، حالانکہ خمس اور متعہ میں سے ہر دو حرام ہیں۔

میں ان قبائل کو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ اپنی اور اپنے اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کریں